

اس ناول میں شامل ہے ایڈووکیٹ رائٹر اسٹون سیریز کا پہلا ناول

بالکل

مفت

محمود، فاروق، فرزانه
اور انسپکٹر جمشید
سیریز

738



زہریلا ٹکراؤ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محمود، فاروق، فرزانا اور انسپیکٹر جمشید کے کارنامے

زہریلا ٹکراؤ

اشتیاق احمد

ایٹلانٹس
پبلکیشنز

اٹلانٹس پبلکیشنز صحت مند معاشی زندگی کے لیے بہترین کتابوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر فرد کو انسانی ترقی کے لیے کوشش ہے۔

نادر	زہرا نگراں
نمبر	738
پیشہ	قاری احمد
قیمت	32 روپے

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اٹلانٹس پبلکیشنز کی پیش کردہ تمام کتابوں کے حقوق محفوظ ہیں۔ کسی قسم کی دہرائی یا کاپی سے اجازت نہیں دی جاتی۔ اگر کسی شخص نے اس کتاب کو کاپی کیا تو اسے اس کی کاپی کو کاپی کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے اس کتاب کو کاپی کیا تو اسے اس کی کاپی کو کاپی کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔

بہل حاصل کرنے اور ہر قسم کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اس کتاب کو پڑھیں۔

ایک حدیث

حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ وسلم سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ! کون سا کام زیادہ اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا، کہ انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔

☆☆☆

نادر بن حنیف سے پہلے یہ کچھ نہیں تھا

☆ ہدایتِ مہارت کا تجربہ۔

☆ آپ کا سہارا کوئی کام نہیں کرے۔

☆ آپ نے کسی کو ہمت نہ دے سکا۔

☆ آپ کے لئے گھر میں کوئی کام نہیں تھا۔

اگر آپ ان میں سے کوئی ایک بات بھی پڑھیں تو آپ کی زندگی بدل جائے گی۔ پہلے مہارت

دوسرے کاموں سے سیکھیں۔ سیکھیں۔ سیکھیں۔

استقامت

دوباتیں

الحکام میکم

لیجے از ہر بلا کھراؤ حاضر ہے۔ یہ ذرا کردار ناول ہے۔۔۔ آج کا دور ہے بھی کھراؤ کا۔۔۔ جب تک کسی سے کھراؤ نہ ہو، حیرت ہی نہیں آتا۔۔۔ خاص طور پر آپ کے محبوب کردار جب تک زور دار احمد ایش کی سے نہ کھرائیں تو آپ بڑے بڑے منہ بناتے گئے ہیں۔۔۔ اور کہتے گئے ہیں۔۔۔ یہ آپ نے ناول لکھا ہے، اس سے تو بہتر تھا، نہ لکھتے۔۔۔ کہتے کو یہ بات کی جا سکتی ہے، اس کا کہنا آسان ہے۔۔۔ لیکن جب میں ناول نہیں لکھوں گا اور آپ کیم تاریخ کو سٹالوں پر خریدنے کے لیے جائیں گے تو اس صورت میں آپ اور زبیر بڑے بڑے منہ بنائیں گے اور یہ کہتے نظر آئیں گے۔۔۔ اس سے تو بہتر تھا، ہم اس شخص کو کچھ نہ کہتے۔۔۔ جیسے جیسے ناول لکھتے رہے۔۔۔

کہنے کا مطلب یہ کہ ناول آپ کو مل رہے ہیں، یہی بہت ہے۔۔۔ کوشش تو کی جاتی ہے۔۔۔ ناول بہتر سے بہتر ہو، اس میں خوب سسٹمز ہو۔۔۔ آپ کو بس پسند آجائے۔۔۔ لیکن انسان اپنی کوشش میں ناکام بھی تو ہو جاتا ہے نا۔۔۔ اور خوب دھڑے سے ناکام ہو جاتا ہے۔۔۔ اور یہ کوئی صرف میرے ساتھ ہی نہیں۔۔۔ بڑے بڑے لوگ ناکامی سے دو چار ہو جاتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔۔۔ میں تو ہوں کس کھیت کی مولیٰ۔۔۔

لیجے از ہر بلا کھراؤ کے کھراؤ سے شروع ہونے والی دو باتیں مولیٰ تک آگئی۔۔۔ مجھے ڈر ہے۔۔۔ اگر میں نے ان دو باتیں کو جاری رکھا تو کہیں یہ آپ کو اپنا سر کسی چیز سے کھرانے پر مجبور نہ کر دیں۔۔۔ اس وقت آپ کو آنے والے کا بھلا معلوم ہوگا۔۔۔ میری دعا ہے۔۔۔ آپ کا سر سلامت رہے، تاکہ آپ یہ ناول پڑھ سکیں۔

آپ نے دیکھا۔۔۔ سر سلامت رہنے کا کتنا فائدہ ہے۔۔۔ آدمی کم از کم ناول پڑھنے کے قابل تو رہی جاتا ہے۔۔۔

یہ دو باتیں سخت گرمی میں لکھ رہا ہوں۔۔۔ دانتوں پینہ آرہا ہے۔۔۔ پہلے یہ صرف محاورہ آتا تھا۔۔۔ اب کچ کچ دانتوں پینہ آنے لگا ہے۔۔۔ اس سے پہلے کہ دانتوں کے علاوہ جسم کے کچھ اور حصوں کو پینہ آجائے۔۔۔ میں دو باتیں کا باپ بند کرتا ہوں اور ناول شروع کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔۔۔ اب آپ فوراً ہی اس کی گرفت میں آنے والے ہیں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ تجربہ کر لیں۔

اطلاش پبلیکیشنز کے تحت اسپیکر جمشید سیر کا یہ میرا 52 واں ناول ہے۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے ادارے کے 52 ناول شائع ہو گئے اور میں دیکھنا کا دیکھنا کر گیا۔۔۔ میں سوچ بیٹھا تھا۔۔۔ بس اب میرے ناولوں کا دور ختم ہو گیا۔۔۔ ناول اب باقی کی باتیں ہو کر رہ جائیں گے۔۔۔ لیکن اللہ بھلا کرے اطلاش پبلیکیشنز والوں کا۔۔۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔۔۔ کہ مجھے قلمی دی اور کہنے لگے۔۔۔ ایک کوشش ہمیں بھی کرنے دیں۔۔۔ لگتا ہے کوشش کامیابی کی طرف گامزن ہے۔۔۔ میرے قارئین اسے ناکام نہیں ہونے دیں گے۔

لیکن ہاں اجازت لینے سے پہلے ایک بات اور۔۔۔ کچھ عرصے پہلے میں نے کسی ناول کی دو باتیں میں لکھا تھا کہ قاروق احمد صاحب میرے ناولوں کی اشاعت میں باقاعدگی پیدا نہ کر پائے تھے۔۔۔ لیکن آج جب ناولوں کی اشاعت میں انتہائی باقاعدگی پیدا ہو گئی ہے تو مجھے احساس ہوا ہے کہ غلطی ان کی نہ تھی بلکہ حالات ایسے پیدا کر دیے گئے تھے۔۔۔ ایسی صورت حال اور مشکلات پیدا کر دی گئی تھیں کہ قاروق احمد صاحب کیلئے ناولوں کی اشاعت نقصان کا سودا بن کر رہ جاتے اور وہ جگہ آکر نقصان اٹھا اٹھا کر ہنسٹ ہارٹیشیں۔۔۔ اور ہوا بھی یہی کہ ان مشکلات اور رکاوٹوں کے سبب قاروق احمد صاحب ناول ہر ماہ مقررہ وقت پر شائع نہ کر پائے اور میرے ذہن بلکہ قارئین کے ذہن میں بھی یہ تاثر پیدا ہوا کہ قاروق احمد تو ناولوں کی اشاعت میں باقاعدگی پیدا کر سکے بلکہ سرے سے کوئی وقت مقرر ہی نہ کر سکے۔ اور پھر یہ ہوا کہ یہ تاثر کامیاب ہو گیا۔۔۔ لیکن قدرت کی بھی اپنی ایک چال

ہے۔ پروردگار کا اپنا ایک نظام ہے اور یہ نظام ان تمام مشکلات اور ان تمام رکاوٹوں پر سکراتاً رہتا ہے اور پھر ہوتا ہی ہے جو اس کو منظور ہوتا ہے۔ وہ ان مشکلات اور رکاوٹوں کے درمیان سے وسیلہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہی اس نے فاروق احمد کیلئے کیا۔ کہ فاروق احمد صاحب کی جانب سے نادلوں کی اشاعت پانچ گنا زیادہ تعداد اور مثالی باقاعدگی کے ساتھ شروع ہو گئی۔ اور تمام تاثر غلط ثابت ہو گئے اور اب فاروق احمد ایک ہی نہیں بلکہ ہر ماہ نو دس ہول شائع کر رہے ہیں۔ یہی قدرت کے کرشمے ہیں اور یہی پروردگار کی شان اور حکمت کا مظہر ہے۔ ثابت ہوا کہ نادلوں کی اشاعت میں باقاعدگی دانستہ اور لا پرواہی کا مظہر نہ تھی بلکہ سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھی۔ ایسا منصوبہ جس کا مقصد ہم سب کو انقلابی ہلکیٹھو سے بدعنوان کرنا تھا۔ منصوبہ کس کا تھا اس کے بارے میں خاموش رہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہی کافی ہے کہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔

کہنا ہے تو بس یہ کہ میرے پرانے ادارے اشتیاق ہلکیٹھو کا اگر کوئی حلسل ہے تو وہ صرف اور صرف انقلابی ہلکیٹھو ہے۔ وہی باقاعدگی، وہی جنگلی اشاعت، آئندہ نادلوں کی ہلکیٹھو کا اور مختلف اشتہارات کا وہی دلچسپ انداز۔ سب کچھ وہی ہے جیسا اشتیاق ہلکیٹھو کے زمانے میں تھا۔ انپبلز جیشید میرز کے نادلوں کا اصل انداز صرف انقلابی ہلکیٹھو کے نادلوں میں ہے اور انقلابی ہلکیٹھو سے شائع شدہ ناول ہی آنے والے وقتوں میں جیشید میرز کے اصل ناول بچے جاتے تھے۔ انشاء اللہ اور میری دعا ہے کہ یہ حلسل اور انداز ہمیشہ قائم رہے۔ آمین!

نتیجہ

کار چور

جونہی میاں صاحب پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئے، تھانے دار کارمک اڑ گیا۔ اس کے ماتحت ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ایک چور کو پکڑ کر لائے تھے۔۔۔ وہ شہر کی بھری پری مارکیٹ سے ایک کار چراتے ہوئے رینگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔۔۔ تھانے دار نے جب اس سے چند سوالات کیے تو وہ بڑے فخر کے انداز میں بول اٹھا:

”تھانے دار صاحب... میں بس تھوڑی دیر تک پولیس اسٹیشن میں ہوں... ابھی مجھے چھڑانے والے آئیں گے اور آپ مجھے چھوڑتے نظر آئیں گے۔“

”اچھا! یہ بات ہے... تو پھر اس بات کو لکھ لو... تم نہیں چھوڑو گے... تمہیں رینگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے... اور وہ بھی کار چوری کرتے ہوئے... کار کوئی چھوٹی سی چیز نہیں ہوتی... اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ تم نے یہ کام پہلی بار نہیں کیا... پہلے بھی تم نہ جانے کتنی کاریں چراچکے ہو... ہم تو تم سے وہ سب بھی اگلو آئیں گے... اور معلوم کریں گے... تم نے وہ کاریں کہاں فروخت کی ہیں... وہ لوگ کون ہیں جو چوری کی کاریں خریدتے ہیں۔“

”تھانے دار صاحب! آپ کے پروگرام تو کافی لمبے لگتے ہیں... لیکن آپ کو اس وقت ضرور بہت افسوس ہوگا... جب آپ کے یہ پروگرام یک دم دم توڑ دیں گے۔“

”حسن! اسے لے جاؤ... بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا ہے... ظاہر ہے... کوئی تو ضرور آنے والا ہے... لہذا اس کے آنے سے پہلے پہلے ذرا اس کی تھوڑی مرمت بھی کر دو... دیکھو، کوئی نشان نظر نہ آئے... بہت احتیاط سے کام لینا... دیے تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں... یہ بھی کیا یاد رکھے گا... کس رئیس سے ملاقات ہوئی تھی۔“ یہ کہتے ہوئے تھانے دار مسکرایا اور وہ پرچہ درج کرنے لگا:

”کیا کہا آپ نے... آپ مجھے چھوڑیں گے نہیں... تھانے دار صاحب! آپ بہت بڑی بھول میں ہیں... بہت بڑی غلط فہمی میں ہیں...“

”بچے! میں تمہارے خلاف رپورٹ درج کر رہا ہوں... ابھی کار کے مالک کو بلا کر کام پکا کر رہا ہوں... فکر نہ کرو... چھوٹو گئے نہیں۔“

”اچھی بات ہے... آپ بھی نہیں اور میں بھی نہیں۔“ چور ہنسا۔

”نہی تو میں کر رہا ہوں... تم نہیں رہو گے... میں تو پہلے ہی سے یہاں ہوں۔“

تھانے دار نے اسے حوالات میں بھیج دیا... وہاں اس کی شایان شان طریقے سے مرمت ہونے لگی... تھانے دار اس کی مرمت ہرگز نہ کرانا، اگر وہ اس طرح کی باتیں نہ کرتا... اس کے چہرے پر پریشانی اور ندامت ہوتی تو وہ ضرور اس سے اچھا سلوک کرتا... کیونکہ وہ ایک ذمے دار اور فرض شناس پولیس آفیسر تھا... بلاوجہ ضدی اور اکڑ نہیں تھا...

جلد ہی وہاں کار کا مالک بھی آگیا۔ تھانے دار نے اس کا بیان بھی لیا... دراصل کار کے مالک ہی نے اسے کار چوری کرتے پکڑا تھا۔ وہ اپنی چابی سے کار کا دروازہ کھول چکا تھا اور اندر بیٹھ چکا تھا کہ وہ شوروم سے باہر نکل آیا... اس کے ساتھ ہی کار کا الارم بج اٹھا اور پرائیویٹ سیکورٹی والے چند ہی لمحوں میں وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے چور کو قابو میں کر لیا... لہذا چور کو فوراً ہی گرفتار کر کے تھانے بھیج دیا گیا۔ کار کے مالک کا نام فاروق خان تھا۔ تھانے دار نے کار اس کے حوالے کی اور اسے رخصت کر دیا... اب اسے انتظار تھا... چور کے حتمی کا... وہ سوچ رہا تھا... دیکھیں کون آتا ہے۔ چور دھوے تو بہت بڑھ چڑھ کر رہا تھا...

آخر ایک بہت بڑی اور قیمتی کار تھانے دار داخل ہوئی... کار سے اترنے والے شخص کو دیکھ کر تھانے دار دھک سے رہ گیا۔ اس کا رنگ اڑ گیا... اسے چور کے الفاظ یاد آنے لگے... اس کے دماغ میں وہ پہلے بار بار گونجنے لگے... فوراً ہی اس نے اپنے سر کو جھٹکا... وہ آنے والے شخص سر بائلی والا تھے... ان کا تو اعلیٰ افسران کو ایک فون کافی تھا... ملک کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔ بڑے بڑے سیاست دان ان کے گھر پر حاضری دیتے تھے... ملک میں عام خیال یہ تھا کہ وہ زبردست قسم کے جوتوڑ والے آدمی تھے... حکومت کو اگر دو دست سیاسی جماعتوں میں مخالفت کرانا ہوتی تو وہ میاں بائلی والا کی خدمات حاصل کرتی تھی اور صرف ایک آدھ ماہ بعد دونوں سیاسی جماعتیں ایک دوسرے سے لڑتی نظر آتی تھیں... الیکشن کے دنوں میں بھی سیاسی جماعتیں اس سے خوب کام لیتی تھیں... اس قسم کے کاموں کا وہ بہت بڑا معاوضہ وصول کیا کرتا تھا۔ غرض یہ کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا... بڑے سے

بڑے افسروں پر دباؤ ڈال سکا تھا... ایک قحانے دار کی توحشیت کیا تھی۔ قحانے دار کو حیرت اس بات پر تھی کہ اتنے معمولی سے کام کے لیے اتنے بڑے آدمی کو قحانے میں آنے کی کیا ضرورت تھی... دوسری طرف اس کے لیے الجھن یہ تھی کہ وہ چور کو پھینچ کر چکا تھا... قحذ اب وہ شدید الجھن میں تھا۔

میاں باغی والا کار سے اتر کر تیر کی طرح اس کی طرف بڑھا... اس نے نہ ملک سلیک کی... نہ کوئی جملہ کہا... بس آ کر زور دار انداز میں کرسی کھینچی اور اس پر دم سے بیٹھ گیا۔ چند لمحوں تک اپنا سانس درست کرتا رہا۔ پھر اس کے منہ سے نکلا:

”شادے کو یہیں لایا گیا ہے نا۔“

”جی ہاں! مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ آپ کا آدمی ہے... نہ اس نے بتایا... بتا دیتا تو میں ایک لمبے کے لیے بھی اسے حوالات میں بند نہ کرتا۔ آپ نے کیوں زحمت کی... بس مجھے فون کر دیجے...“

”پاگل ہو تم۔“ وہ پھٹکارا۔

”جی... کیا فرمایا آپ نے۔“ قحانے دار کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

”میں نے کہا ہے تم پاگل ہو۔“

”آپ نے درست فرمایا... آپ ملیں... میں اسے ابھی قارغ کر دیتا ہوں۔“

”ایسے نہیں۔“ باغی والا مسکرایا... اس کی مسکراہٹ بہت خوفناک تھی۔

”غور سے سنو! میں اس کی واپسی ضرور چاہتا ہوں... لیکن زندہ

حالت میں نہیں۔“

”جی... کیا مطلب؟“ قحانے دار بہت زور سے اچھلا۔

”آپ کا نام؟“

”جی میں کالے خان ہوں۔“

”ہاں کالے خان... آپ اسے میرے پاس لائیں گے... لیکن زندہ حالت میں نہیں، مردہ حالت میں۔“

”میں... میں اب بھی نہیں سمجھا رہا۔“

”آج رات تم اس کا کام تمام کرو... اور صبح لاش کو بیپ میں ڈال کر میری کوشی پر آ جاؤ... تمہیں اس کام کا معاوضہ مل جائے گا... حوالات میں اس کی خودکشی کی خبر میں چھوڑ دوں گا... ضرورت سمجھو تو اس کا پوسٹ مارٹم بھی کراؤ... مجھے کوئی اعتراض نہیں... پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر کا نام فون پر بتا دو... میں اسے فون کر دوں گا... وہ خودکشی کی رپورٹ لکھ دے گا۔“

”آپ... آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔“

”تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے... یاد رکھو... اگر تم یہ کام نہیں کرو گے تو ملازمت سے نکال دیے جاؤ گے... یہاں تمہاری ہنگ کوئی اور آ جائے گا اور میں یہ کام اس سے لے لوں گا... کیا سمجھے۔“

”آپ فکر نہ کریں... کل آپ کی ملاقات اس کی لاش سے ہوگی۔“ کالے خان نے کہا۔

”خوب! تم سمجھ دار آدمی ہو... ترقی کرو گے... ڈی ایس پی کا عہدہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“

”بہت بہت شکریہ۔“

وہ ایک جھکے سے اٹھا اور اس سے ہاتھ ملائے بغیر جانے کے لیے مڑ گیا۔۔۔ کالے خان حیرت زدہ سا اسے دیکھتا رہا۔ وہ تھوڑی دیر تک ساکت بیٹھا رہا۔۔۔ اس نے اس قسم کے کام کبھی نہیں کیے تھے۔۔۔ وہ تو ایک ایمان دار پولیس آفیسر تھا۔۔۔ کسی کے کہنے پر کسی کو کیسے جان سے مار دیتا۔۔۔ دوسری طرف اس کی ملازمت کا سوال تھا۔۔۔ لہذا وہ اس وقت ایسی زبردست الجھن محسوس کر رہا تھا کہ کیا پہلے کبھی محسوس کی ہوگی۔ آخر کچھ سوچ کر وہ حالات میں داخل ہوا۔۔۔ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر شاد اظہارِ انداز میں ہنسا۔۔۔ پھر جونہی وہ حالات کے کمرے میں داخل ہوا۔۔۔ شاد ابولا:

”کیوں تھانے دار صاحب امیں نے کیا کہا تھا۔“

”تم نے ٹھیک کہا تھا۔۔۔ لیکن بات وہ نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔“

”تب پھر بات کیا ہے۔۔۔ کیا سربانٹی والا کی طرف سے آپ کو فون

نہیں ملا۔“

”نہیں ملا۔“ اس نے کہا۔

”کیا کہا۔۔۔ فون نہیں ملا، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”وہ خود یہاں آئے تھے۔۔۔ تھانے میں۔“ کالے خان نے سرسراہتی

آواز میں کہا۔

”کک۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ اچانک شادے

کارمک اڑ گیا۔۔۔ وہ کپکپاتی آواز میں بولا۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔“

اس کی آنکھوں میں دنیا جہان کا خوف سما گیا۔۔۔ جسم کا پٹنے لگا۔

اب تو کالے خان بہت حیران ہوا۔۔۔ شادے کا خوف اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

”کیا ہوا بھئی۔۔۔ خیر تو ہے۔“

”آپ۔۔۔ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔۔۔ بانٹی والا تھانے میں کیوں آنے لگے۔۔۔ انہیں بھلا کیا ضرورت تھی آنے کی۔۔۔ کہہ دیجیے۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔“

”نہیں شادے۔۔۔ یہ جھوٹ نہیں ہے۔“

”کیا۔۔۔ کیا واقعی۔“

”ہاں! یہ سو فیصد درست بات ہے۔“

وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا شاید اس کی ٹانگوں میں کمرے رہنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔۔۔

”کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔۔۔ بات کیا ہوئی۔۔۔ تم بیکار اس قدر خوف زدہ کیوں ہو گئے۔“

”اگر بانٹی والا یہاں آئے تھے۔۔۔ تب انہوں نے میری موت کا حکم دیا ہے۔۔۔ کیوں تھانے دار صاحب کیسا بات ہے نا۔۔۔ اور یہ بات میں اتنے یقین سے اس لیے کہ رہا ہوں کہ مجھے اس کے ساتھ کام کرتے ایک مدت گزر گئی۔۔۔ جب پولیس کے ہاتھوں اپنے کسی کارکن کو یا کسی مخالف کو مروانا ہوتا ہے تو اس وقت وہ تھانے میں خود آتا ہے۔۔۔ یہ اس کی خاص عادت ہے۔“

”پھر۔۔۔ اب تم کیا کہتے ہو۔“

”جس شخص کو پچاسی کا حکم دے دیا جائے۔۔۔ وہ کیا کہ سکتا ہے۔۔۔ اس کے لیے تو سب کچھ ختم ہو گیا۔۔۔ تاہم میری ایک درخواست ہے۔۔۔“

”اور وہ کیا۔۔۔“ تھانے دار نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

”میں بہت بڑا ہوں۔۔۔ میں نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا۔۔۔ میرے

پاس جو مال ہے... وہ سب بھی گناہ کی کمائی کا ہے... اس مال کو میں کسی نیک کام میں لگا بھی دوں تو مجھے کون سا ثواب مل جائے گا... گناہ گار کا گناہ گار رہوں گا... بس آپ اتنا کر دیں... کہ میرے بیوی بچوں کو کسی نیک کام میں لگا دیں... لیکن آپ بھلا ایسا کیسے کر سکیں گے... ایک بد نصیب مجرم کے لیے آپ کیوں کچھ کرنے لگے۔“

”ایسی بات نہیں... میں تمہارے بیوی بچوں کے لیے بہت کچھ کروں گا... جو مجھ سے ہو سکا کروں گا... تم صرف مجھے یہ بتا دو... باقی والا تمہیں کیوں ہلاک کرنا چاہتا ہے۔“

”میں نہیں جانتا... لیکن وہ ایسا پہلے اکثر کرتا رہتا ہے۔“

”اس کے بعد کیا ہوتا ہے...“

”وہ اس لاش سے لا تعلقی ظاہر کر دیتا ہے... قحانے دار سے کہ دیتا ہے... میں اس شخص کو نہیں جانتا اور نہ میں نے تمہیں اس کے بارے میں کوئی ہدایات دی ہیں۔“

”ہوں اچھا خیر... مجھے سوچنے دو... میں اب رات کو آؤں گا...“

”م... مجھے پھانسی دینے کے لیے۔“

”ابھی میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا۔“ کالے خان نے کھوئے کھوئے

اندا میں کہا۔

”اگر آپ مجھے پھانسی نہیں دیں گے تو وہ آپ کو نہیں چھوڑے گا۔“

”میں ہر پہلو سے معاملے کا جائزہ لے رہا ہوں... میں اب چتا

ہوں... رات کے وقت آؤں گا اور تمہیں بتاؤں گا... میں نے کیا فیصلہ کیا

ہے۔“

یہ کہتے ہوئے قحانے دار کالے خان حوالات سے باہر نکل گیا... یہاں تک کہ وہ شادے کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
پھر رات کے دو بجے حوالات کا دروازہ کھلا:

☆☆☆☆☆

تین باتیں

رات کے دو بجے حوالات کا دروازہ کھلا اور تھانے دار کالے خان اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ شادے نے اس پر ایک نظر ڈالی اور کانپ گیا... تھانے دار کے ماتحت اس کے پیچھے کچھ دور کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں:

”کیا حال ہے شادے میاں۔“ کالے خان کے منہ سے نکلا۔
”اس شخص کا حال پوچھتے ہیں... جس کی پھانسی کا حکم دے دیا گیا ہے۔“

”ہوں... دیکھو شادے... میں نے تمہارے لیے ایک بہت آسان موت جوڑ کی ہے... تم جانتے ہو... تمہارے ساتھ اس وقت میں بھی بڑی طرح پھنس چکا ہوں... میاں باٹلی والا ہمارے ملک کا خوفناک ترین آدمی ہے... اس کے مقابلے میں آنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا... یعنی ملک کا بڑے سے بڑا آدمی، یہاں تک کہ ہمارے ملک کا صدر تک اس سے محتاط رہتا ہے... ان حالات میں میری اور تمہاری کیا حیثیت ہے... تاہم ایک اور صرف ایک بات ایسی ہے... کہ تم بچ سکتے ہو۔“

”کیا مطلب... بھلا ایسی کون سی ترکیب ہو سکتی ہے...“
”تم مجھے صرف یہ بتا دو... کہ میاں باٹلی والا تمہیں جان سے کیوں مروا ڈالنا چاہتا ہے... تم نے آخر ایسی کیا غلطی کی ہے... دیکھو نا... تم ایک کار چور ہو... تم نے ایک کار چرائی، لیکن موقع پر ہی پکڑے گئے۔ پولیس نے تمہیں یہاں پہنچا دیا... اب باٹلی والا یہاں آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ میں تمہیں ختم کر دوں... اس صورت میں میری ملازمت ختم ہو سکتی ہے... ورنہ نہیں... سوال یہ ہے... وہ تمہاری موت کیوں چاہتا ہے۔“

”اسی بات پر تو میں بھی حیران ہوں۔“
”سنو! ہمیں اس بات کی تدبیر میں اترنا ہے... کیا تم اس کے حکم سے کاریں چوری کرتے رہو۔“

”نہیں... یہ تو میرا پارٹ ٹائم کام ہے... جب اس کی طرف کوئی کام ڈے نہیں لگا ہوتا تو میں ایسے کام کر لیتا ہوں... تمام کارندے ایسا کرتے پھرتے ہیں... اور چونکہ ہم سب اس کے لیے کام کرتے ہیں... اس لیے وہ فوراً ہمیں جھڑا بھی لیتا ہے... اسی لیے میں آپ کے سامنے اکڑ رہا تھا۔ اب میں حیران ہوں... کہ مجھے حوالات سے چھڑانے کی بجائے اس نے میری موت کا حکم کیوں دیا۔“

”اس پر غور کرو... تمہیں اس کا کوئی راز اچانک تو معلوم نہیں ہو گیا۔“

”کیا۔“ اس کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔
”ہاں! کوئی راز... جو اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔“
”مجھے تو کوئی ایسی بات معلوم نہیں۔“

”لیکن میرا خیال ہے... کوئی ایسی بات ضرور ہے... اس بات کا
امکان ہے کہ اس وقت وہ بات بالکل بھی ایسی نہ ہو... یہ کم از کم تمہارے
برایک اہم نہ ہو، لیکن کے چل کر آپ تک تمہیں اس بات کی اہمیت معلوم ہو
جائے اور تم باہل والا کو بیک میل کر سکو۔“

”آپ کی بات میں وزن ہے... لیکن مجھے کسی کوئی بات معلوم
نہیں۔“

”آج کل میں تمہیں اس کے بارے میں کوئی بات معلوم ہونی ہو...
بے شک وہ غیر اہم ہو... یاد رکھو... غور کرو۔“

”سو اس یہ ہے کہ آپ اس بات سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔“
”ابھی یہ نہ پوچھو... زندگی چاہتے ہو تو مجھے کوئی ایسی بات یاد کر کے
متادو... اور یہ بھی جان لو... ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے... مجھے صبح
سویرے تمہاری لاش اس کے سامنے لے جانا ہے۔“

شادے کو جبر جبری آگئی۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا... پھر اس
نے سر اٹھا کر کہا:

”آپ مجھے سوچنے کی مہلت دیں... کم از کم آدھ گھنٹہ۔“

”ٹھیک ہے... میں آدھ گھنٹے بعد آؤں گا...“ کالے خان نے کہا
اور جانے کے لیے مڑ گیا... آدھ گھنٹے بعد وہ پھر آدھمکا... اس بار اس کے
ماتحت اس کے ساتھ نہیں تھے... وہ سلاخوں سے آنگا... اور دبی آواز میں بولا
”میں ماتحتوں کو ساتھ نہیں لایا... ہو سکتا ہے... وہ ایسی بات
ہو... جس کا سبھی سے چھپانا ہمارے حق میں بہتر ہو...“

”آپ نے اچھا کیا... لیکن مجھے افسوس ہے... مجھے کوئی خاص

بات اب تک یاد نہیں آئی... میں دو تیس عام باتیں ہیں... جو مجھے تھاق سے
اس کے بارے میں معلوم ہوئی ہیں... اب خدا جانے... وہ کسی کام کی ہیں یا
نہیں۔“

”اس بات کو چھوڑ دو... مجھے وہ باتیں متادو۔“

”کئی بات... ایک رات اس نے خفیہ طور پر راجہ کا فور سے ملاقات
کی تھی... وہ ایک عام سا آدمی ہے... بالکل سیدھا سادا... اس کا نہ تو کسی
سیاسی معاملے سے تعلق ہے اور نہ ہی اور معاملات سے... میں حیران ہوا تھا کہ
اسے اس سے کیا کام آ پڑا... کہ وہی رات کو ملاقات کی... اس روز اس کے
دونوں ڈرائیور بہت زیادہ کھالیے کی وجہ سے شدید بیمار ہو گئے تھے اور اسے مجھے
بلور ڈرائیور لے جانا پڑا تھا... ایک تو مجھے یہ بات معلوم ہو گئی... صرف اس
وجہ سے کہ اس دن اس کا ڈرائیور نہیں تھا...“

”کیا وہ اس سے پہلے بھی اس شخص سے ملنے کے لیے جاتا رہتا
ہے۔“

”بھلا مجھے کیا معلوم... میں اس کا ڈرائیور نہیں ہوں... نہ وہ مجھے
اس طرح ساتھ لے جاتا ہے... یہ تو ایک اتفاق تھا۔“

”ابھی بات ہے... میں یہ نام نوٹ کر لیتا ہوں... یہ شخص رہتا
کہاں ہے۔“

”سلطان پورے کی گلی نمبر 19 میں... مکان نمبر 2 ہے۔“

”یہ تو ہو گئی ایک بات... دوسری بات؟“

”وہ ہر جمعرات کو ایک مزار پر ضرور جاتا ہے... لیکن خفیہ طور پر...
مجھے یہ بات بھی اتفاق سے معلوم ہو گئی۔“

”وہ کیسے؟“

”میں اس روز اس علاقے میں کوئی کار اڑانے کے چکر میں مکی تھا... کہ اس کی کار وہاں آکر رکی اور وہ کار سے اتر کر حزار کے اندر چلا گیا۔ میں بے خیالی میں ڈرائیور کی طرف بڑھ گیا... ڈرائیور نے مجھے دیکھی تو گھبرا گیا... میں اس سے پوچھ بیٹھا... یہ ہمارے صاحب! یہاں کیا کرنے کے لیے آئے ہیں... ڈرائیور کا رنگ زرد پڑ گیا... اس نے دہلی آواز میں کہا... ”شد سے فوراً یہاں سے چلے جاؤ... اگر اس نے دیکھ لیا کہ تم اس کی یہاں تہ سے باخبر ہو گئے ہو تو ہو سکتا ہے... وہ تمہاری موت کا حکم دے دے... یہ سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور وہاں سے کافی دور ایک تاریک جگہ میں کھڑ ہو گیا... آدھ گھنٹے بعد باگلی وال باہر آیا اور کار میں بیٹھ کر چلا گیا... یہی ایک یہ بات مجھے معلوم ہوئی لیکن میرے ذہن سے نکل گئی تھی... کافی مدت پہلے کی بات ہے... وہ تو جب آپ نے غور کرنے کے لیے کہا تو اس وقت مجھے یاد آئی...“

”یہ بات کافی سہم ہے... خاص طور پر اس ڈرائیور کا ایسی بات کہنا... اس کا کیا نام ہے... اور کیا وہ اب بھی اس کا ڈرائیور ہے...“

”اس کا نام مہموری خان ہے... اب وہ اس کا ڈرائیور نہیں ہے... یہ بھی نہیں معلوم کہ اب وہ کہاں کام کرتا ہے... کیونکہ مدت ہوئی... میں نے اسے نہیں دیکھا...“

”اس کے گھر کے بارے میں معلوم ہے...“

”نہیں... بالکل نہیں... لیکن دوسرے ڈرائیور بتا سکتے ہیں...“

”اور ہم اس کے ڈرائیوروں سے یہ بات پوچھ نہیں سکتے...“

”ہاں ایہ بات تو آپ ٹھیک کہتے ہیں...“

”خیر... میں نے یہ بات بھی نوٹ کر لی ہے... اس میں ایک بات ہے... تم نے کہا ہے کہ وہ ہر جمعرات کو وہاں جاتا ہے... یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو...“

”جس انداز سے ڈرائیور نے مجھے روکا تھا... اس سے میں الجھن کا شکار ہو گیا تھا... اور ہر روز اس تاریک کونے میں اس وقت جا کر کھڑا ہوتا رہا تھا... آخر جمعرات کے دن ہی وہ پھر آیا... اب میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ وہاں ہر جمعرات کو آتا ہے... احتیاط میں نے اگلی جمعرات کو پھر چیک کیا تھا اور وہ آیا تھا... پھر میں نے جانا چھوڑ دیا تھا... کیونکہ اس کی ٹوہ میں رہتا میرے لیے اور زیادہ خطرناک تھا...“

”خیر... یہ تو ہو گئیں دو باتیں... ارے ہاں... ڈرائیور کا نام کیا تھا؟“

”مالی جاہ...“

”تمہارا مطلب ہے، اس کا نام مالی جاہ ہے...“

”ہاں! اگر وہ زندہ ہے تو اس کا نام مالی جاہ ہے... اور اگر وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے تو پھر اس کا نام مالی جاہ تھا...“

”کیا مطلب...؟“ کالے خان نے چونک کر کہا۔

”اس کے بارے میں وہ بے لفظوں میں کارکن باتیں کرتے نظر آتے ہیں... یہ باتیں کھسر پھسر سے آگے نہیں جاتیں... لیکن خیال یہی ہے کہ اس کی کم شدگی سے لوگ بھی سمجھ رہے ہیں کہ باگلی والا نے اسے مروا دیا ہے...“

”اوہ... نن... نہیں...“ کالے خان کے منہ سے مارے خوف کے

لگا... پھر وہ خود کو سنبھالنے ہوئے بولا۔

"اچھا خیر ایہ تو ہو گئیں دو باتیں... تیسری بات کیا ہے؟"

"تیسری بات یہ ہے کہ باگلی والا مینے میں ایک بار ایک دن سے یہ غائب ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی کو بھی کچھ معلوم نہیں ہے... بس اتنی بات سب کو معلوم ہے کہ وہ پورے چوبیس گھنٹوں کے لیے مینے میں ایک بار نہ آتا ہے۔ یہ جاتا ہے... وہ کہاں جاتا ہے... کس وقت جاتا ہے... یا کس تاریخ کو جاتا ہے... یہ کسی کو معلوم نہیں..."

"خوب ایہ بہت پراسرار بات ہے... سوال یہ ہے کہ ہم ان میں سے کون سی بات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" کاے خان نے کہا۔

"یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ مینے میں ایک بار وہ غائب ہو جاتا ہے... لہذا ہم میں سے کوئی بھی اس بات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا... ہاں اگر ہم یہ معلوم کر لیں کہ غائب کہاں ہوتا ہے... تب شاید یہ بات ہمارے کام آ سکے... لیکن اس کا کوئی امکان نہیں... حزار والی بات اتنی خفیہ ہے بھی نہیں... کیونکہ آخر وہ دن کی روشنی میں سب کے سامنے جاتا ہے... کس سے ملتا ہے... یہ ہمیں معلوم نہیں... وہ گئی پہلی بات... اس نے راجہ کافور سے آدمی رات کے وقت کیوں ملاقات کی تھی... یہ بات شاید ہم معلوم کر سکتے ہیں... کیونکہ اس شخص کا ہاتھ مجھے معلوم ہے۔"

"مطلب یہ کہ آپ مجھے اس کے حکم پر موت کے حوالے نہیں کر رہے۔" اس بار شادے کی آواز قدرے جان دار تھی۔

"ہاں! اس کا امکان ہو چلا ہے... لیکن تمہیں وہی کرنا ہوگا... جو میں کہوں۔"

"فیصل ہے... جب اس شخص نے میری موت کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر میں کیوں آپ کا ساتھ میں دوں گا... اگرچہ جانتا ہوں... وہ میرے ساتھ آپ کو بھی جوتنی کی طرح مل سکتا ہے... لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں... مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔"

"تمہیں ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"کگ... کہاں... وہ کانپ گیا۔"

"مجھ اور نہیں... بس تم مجھے دھوکا نہ دینا... فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا... میں اپنی دادرست داؤ پر لگا رہا ہوں... تم بھی میرا ساتھ دو... نہیں دو گے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا... البتہ یہ بات خود تمہارے لیے نقصان دہ ہوگی۔"

"آپ فکر نہ کریں... میں فرار نہیں ہوں گا... اس لیے کہ میں جانتا ہوں... میں فرار ہو کر بھی اس سے نہیں بچ سکوں گا۔"

"میں تمہیں ایک ایسی جگہ لے جا رہا ہوں... جہاں پہنچ کر ہم دونوں یہ محسوس کریں گے کہ ہم محفوظ جگہ پہنچ گئے ہیں۔"

"اوہ... اوہ وہ جگہ کون سی ہے۔"

جواب میں کالے خان مسکرا دیا... اس نے شادے کا بازو پکڑا اور اپنی جیب کی طرف بولا گیا۔

☆☆☆☆☆

مگویا خیر دار کیا۔

”رات کے تین بجے یہ سوچنا آسن کام نہیں۔“ فاروق مسکرایا۔

”اچھی بات ہے... اب میں تم دونوں کو نہیں روکوں گی...“

”ہم ڈرنے والوں میں سے نہیں ہیں... آؤ فاروق چلیں۔“

میں اس وقت انہوں نے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ چونک

اٹھے:

”ارے باپ رے... شاید امی جان دروازے کی طرف جا رہی

ہیں... اس خیال سے کہ ہماری تک نہیں کھلی۔“ محمود نے گھبرا کر کہا اور کمرے

سے نکلتے ہی دروازے کی طرف لپکا... ادھر ان کی والدہ دروازے کے قریب

پہنچی چکی تھیں۔

”رک جائیے امی جان! ہر خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔“

”ظاہر ہے... دروازہ کھولنے سے پہلے میں اپنا اطمینان کرتی۔“

”اوہ ہاں... واقعی... خیر... اب آپ کمرے میں چلیں... ہم

دیکھ لیتے ہیں۔“ محمود نے کہا اور دروازے پر آکر بجک آئی سے باہر دیکھا...

اسے باہر دو آدمی کمرے نظر آئے... دونوں کے چہروں سے پریشانی لپک رہی

تھی۔

”جی... فرمائیے... ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں۔“

”ہمیں الپکٹر صاحب سے ملنا ہے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”اس وقت... رات کے تین بجے ہیں۔“

”ہاں! مجبوری ہے... ہم دن کی روشنی میں نہیں آ سکتے تھے۔“

”اچھی بات ہے... ہم دروازہ کھول رہے ہیں... اگر آپ نے

کہانی لمبی ہے

ان کے دروازے کی تختی بجی... ایک منٹ بعد پھر بجی... تینوں کی آنکھ تو پہلی ہی تختی پر کھل گئی تھی... لیکن وہ دیکھنا چاہتے تھے... تختی بجانے والا دوسری بار بھی بجاتا ہے یا نہیں... پھر جب دوسری تختی بج گئی، تب محمود نے کہا:

”میرا خیال ہے... اٹھ کر دروازے پر جانا ہی ہوگا۔“

”روکا کس نے ہے... جاؤ۔“ فاروق کی آواز لہرائی۔

”مگویا تم ساتھ نہیں چلو گے۔“

”مجھے معلوم نہیں تھا... تم اس قدر ڈر پوک ہو گئے ہو۔“

”چلو اب تو معلوم ہو گیا... آؤ چلیں۔“ محمود مسکرایا۔

”میں اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔“ فرزانہ کی آواز نے انہیں چونکا

دیا۔

”کیا مطلب... تم کس بات کا مشورہ نہیں دو گی... اور ہم نے تم

سے مشورہ مانا کب ہے۔“ محمود نے منہ بتایا۔

”اس وقت رات کے تین بج رہے ہیں... یہ سوچ لو۔“ فرزانہ نے

وہ مدد کرتی۔ باپ کی مدد سے اسے آگے میں توڑی گئی۔
دار آپ خود ہوں گے۔"

"ہر جن حالات میں تھے ہیں ہمیں ہی معلوم تھے۔ میں تو سمجھ
ہیں۔ موت ہمارے مقابل میں ہے۔" ایک نے کہا۔

"تب تو ہم معذرت چاہتے ہیں۔ آپ ن کوئی مدد نہیں رہیں
گے۔۔۔ کیونکہ موت سے بھلا کب کوئی بچ سکتا ہے۔۔۔ موت تو ایسا کوئی آتی
ہے۔۔۔ موت کا ذاتی تھوڑی ہر کسی کو چکھنا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ نہیں ہم نے یہ نہیں ہمارے ہر ریل میں
السلام ہمارے مقابل میں ہیں۔۔۔ چھوٹے ہمارے جان سے دشمن ہیں اور اگر
ہم کسی محفوظ جگہ پر نہ پہنچیں گے تو ہمیں وہاں سے لے لیں گے۔"

"ابھی بات ہے۔۔۔ ہم دروازہ کھول رہے ہیں، لٹا رہے ہیں۔"
محمود نے دروازہ کھول دیا اور اس سے ساتھ ہی ایوار سے
لگا۔۔۔ فاروق اور فرزانہ پہلے ہی دروازے سے دونوں ستونوں کی اوٹ سے چپے
تھے۔۔۔

"ارے اور دروازہ کس نے کھولا۔۔۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" اس
میں سے ایک نے چونک کر کہا۔

"دروازہ بند کر دیں۔۔۔ اور ہاتھ اوپر اٹھ دیں۔"
"اوہ ایہ تو آپ ابھی تک اس خیال میں ہیں کہ ہوسکتا ہے، ہم غلط
لوگ ہوں۔"

"ہمارا دن رات کام ایسا ہی ہے۔۔۔ جو کہا ہے۔۔۔ وہ کریں۔"
ایک نے دروازہ بند کر دیا اور پھر ان کے ہاتھ بلند ہو گئے

"تو اب نہیں ہے، ہمدردی ہیں، بیٹے نے دشمن
نہ کریں۔۔۔ دروازے میں آپ ہوں ہیں، ہماری طرف ہوں گے
ہیں۔"

"ہاں، ہاں، ہاں۔۔۔ تاکہ میں مدد وقت تو گتے گا۔ کیا آپ
محمود ہیں۔"

"آپ کا خدوہ درست ہے۔"
"میں اسپیڈر کا لے خان ہوں۔"

"یہ مطلب؟" قیوں سے میرے پاس ساتھ گا۔
"وہ اس نام سے ایک پوچس افسر سے ہمارے میں جانتے تھے۔۔۔ اس
کے ہمارے میں سے میں آیا تھا کہ وہ دروازے پر ایسا اور ہے۔۔۔ رشتہ سے
کوسوں اور بڑھتا ہے۔۔۔ اور اس میں سے وہ دوسروں سے یہ کہتا ہے کہ زندگی
مزدور نے اسے اصول اس سے اپنا مزید سے پیسے ہیں۔۔۔"

"تو آپ وہ کالے خان ہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔
اب وہ ان کے سامنے آگئے۔

"مہربانی فرما کر ہاتھ نیچے کر دیں۔۔۔ آئیے ممکن میں بیٹھ کر بات
کریں۔۔۔"

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔
"کیا اپنا صاحب گھر پر نہیں ہیں۔" کالے خان بولا۔
"نہی نہیں۔۔۔ وہ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں، تاہم کل کسی وقت ان
کے واپس آنے کی امید ہے۔"

"اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ اب کیا ہو گا۔" کالے خان گھبرا گیا۔

”بات کیا ہے... کیا آپ کے خیال میں ہم آپ کے کام نہیں آ

سکتے؟“

”کام آ سکتے ہیں یا نہیں... میں کچھ کہ نہیں سکتا... ہمارا مقابلہ بہت

زوردار ہے۔“

”آپ شروع کریں۔“

کالے خان نے شادے کے بارے میں انہیں بتایا... پھر
تھانے میں میاں باغی والا کے بارے میں بتایا اس کے بعد باغی والا نے جو حکم
اسے دیا تھا اس کی تفصیل سنائی... پھر بولا

”اور آخر میں نے فیصلہ کیا... میں بلاوجہ شادے کو جان سے کیوں
ماروں۔ کار چوری کرنے کی سزا موت تو نہیں ہو سکتی... اس کا حکم نہ ماننے کی
صورت میں خود میری زندگی خطرے میں تھی... اس لیے میں نے اسے حوالات
سے نکالا اور یہاں لے آیا۔“

”ہوں... معاملہ واقعی سنگین ہے... آپ کا کیا خیال ہے... کیا
اسے معلوم ہو جائے گا کہ آپ دونوں یہاں آ گئے ہیں۔“

”میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ میرے ملاوہ یہ
بات کسی کو بھی معلوم نہ ہو... اس لیے میں نے تو شادے کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ
کہاں جا رہے ہیں... یہاں آ کر ہی اسے معلوم ہوا ہے۔“

”ہوں... آپ کو چاہیے تھا کہ آنے سے پہلے چھٹی کی درخواست لکھ
کر رکھ آتے۔“

”یہ میں کر آیا ہوں... اور۔“

”اور کیا...“

”ماتحتوں کو بتایا ہوں کہ شادے کو میاں باغی والا کے پاس لے
جا رہا ہوں۔“

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا... اس کا مطلب ہے... اب باغی والا کو
تو صبح سے پہلے کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔“

”اندازہ یہی ہے۔“ کالے خان نے کہا۔

”تو پھر اٹھیے... ہمیں ابھی اور اسی وقت آپ دونوں کو محفوظ جگہ
پہنچانا ہے۔“

انہوں نے دونوں کو کار میں بٹھایا... اپنی والدہ سے دروازہ
بند کرنے کے لیے کہا تھا... تاہم ایک چور ہے پر انہیں رکنا پڑا... ٹریفک
سار جٹ وہاں موجود تھا... وہ ان کی طرف آیا اور بولا

”اپنے کاغذات دکھائیں... رات کے پچھلے پہاڑ آپ کہاں جا رہے
ہیں۔“

”ہم ذرا جلدی میں ہیں جناب! آپ یہ ہمارا کارڈ دیکھ لیں۔“ یہ
کہتے ہوئے محمود نے کارڈ اسے دکھا دیا... اتنی دیر میں وہ بھی کار کی چھٹی سیٹ کا
جائزہ لے چکا تھا اور پیچھے فاروق، کالے اور شادے کو دیکھ چکا تھا... اس کے
چہرے پر شک کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ کارڈ دیکھ کر وہ چونکا۔

”اوو! یہ تو آپ ہیں... معاف کیجیے گا... آپ جا سکتے ہیں۔“
”شکریہ!“

وہ انہیں وہاں سے سیدھے خلیہ ٹھکانے نمبر ایک پر لے آئے...
ٹھکانے کے انچارج کو ساری بات سمجھائی اور وہاں روانہ ہو گئے... واپسی پر
بھی اس چور اسے پر سار جٹ نے انہیں روکا... لیکن پھر ان کی کار کو پہچان کر

”پہلے تو وہ چور رہا آ رہا ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”اور وہی سار جنت ہمیں ایک بار پھر گئے کا اشارہ دے چکا ہے۔“
”کوئی پرواہ نہیں۔“

انہوں نے سار جنت کی طرف توجہ کی طرف آیا اور دیکھ کر بولا۔

”یہ آپ کرتے کیا پھر رہے ہیں۔“

”ہم آپ کو جواب دہ نہیں ہیں... آپ کو کارڈ اکٹھا چکے ہیں...
مجھے جواب۔“ محمود نے قدرے تیز لہجہ میں کہا اور آگے بڑھ گیا...
اب سار جنت نے انہیں روکنے کی کوشش نہ کی... تاہم اس نے
براسامند ضرور بتایا اور کندھے بھی اچکائے تھے۔

دارالحکومت سے شکر پور کا فاصلہ گھٹنے کا تھا... وہ ایک پہاڑی
قصبہ تھا... اور بہت پر فضا تھا... جب ان کی کار قصبے میں داخل ہوئی تو صبح کی
اذانیں ہو رہی تھیں... اب انہوں نے پھر اپنے والد کے نمبر ملائے اور سلسلہ
ملنے پر پورے۔

”ہم یہاں پہنچ گئے ہیں... کہاں ٹھہرتا ہے۔“
”ریسٹ ہاؤس میں۔“

اس قصبے میں سرکاری ریسٹ ہاؤس موجود تھا... انہیں اس کا پتا
تھا... لہذا فوراً وہاں پہنچ گئے۔ وہ دیکھ کر کھل اٹھے کہ وہاں پرفیسر داؤد اور خان
رحمان بھی موجود تھے۔

”اوہو... یہاں تو ہمارے انکل بھی ہیں... مزہ آ گیا۔“
”اندازہ درست نہیں۔“ خان رحمان نے براسامند بتایا

جانے کا اشارہ دے دیا...

وہ گھر میں داخل ہوئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی
”اس گھنٹی سے خطرے کی بجائی ہے... میرا خیال ہے... نہ
سنو۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”خبر ہو گئی... اب انہیں فون کی گھنٹی سے خطرے کی بجائی آئے
گئی... ہے کوئی تک۔“ محمود نے جھلا کر کہا اور آگے بڑھ کر ریسورٹ اٹھایا
”سنو محمود... ابھی اور اسی وقت کار میں بیٹھ کر شکر پور آ جاؤ۔“
”جی... کیا فرمایا آپ نے شکر پور۔“

”ہاں... جلدی کر دو۔“

”لیکن...“ محمود نے کہا چاہا...

”لیکن وہاں نہیں... گل پڑو۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے فون بند کر دیا... اب انہوں نے یہ خبر اپنی
والدہ کو بتائی اور نکل آئے... اب ان کی کار شکر پور کی طرف اڑی جا رہی تھی اور
مڑے کی بات یہ کہ انہیں ایک بار پھر اسی چور اہلے سے گزرنا تھا... جس پر
دوسرے سار جنت انہیں روک چکا تھا... لیکن وہ کبھی کیا سکتے تھے... تاہم محمود
نے موہاگل پر اپنے والد کے نمبر ڈائل کیے اور بولا:

”ابا جان اہم نکل پڑے ہیں... لیکن بہتر ہوتا کہ آپ پہلے ادھر کے
حالات سن لیں۔“

”اس کا مطلب ہے... تم یہاں کسی کیس میں الجھ چکے ہو... کوئی
پرواہ نہیں... تم بس شکر پور پہنچ جاؤ۔“ انہوں نے ایک بار پھر فون بند کر دیا۔
”پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔“

”کیا مطلب اٹکل۔“

”حرے کا دور دور تک پتا نہیں۔“

”پتا نہیں اس مزے کو ہو کیا گیا... خیر آپ فکر نہ کریں، اب ہم آگئے

ہیں... ان شاء اللہ حرے کا انتقام بھی کریں گے۔“

”پہلے تو نماز پڑھ لی جائے... یہاں قریب ہی ایک جھوٹی سی

مسجد ہے، وہاں جماعت کی نماز مل جائے گی۔“ الپکز جمشید نے کہا اور انھ

نماز پڑھ کر وہ واپس رونے در ریست ہاؤس کے باغیچے میں

آکر بیٹھ گئے۔

”ہاں اب بتاؤ... وہ کیا حالات ہیں جن کی بنیاد پر تم آنے سے گھبرا

رہے تھے۔“

”کیا آپ ہمیں نہیں بتائیں گے... آپ نے ہمیں اس قدر عجلت

میں یہاں کیوں بدایا ہے۔“ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

”کیوں نہیں بتائیں گے... لیکن پہلے تم۔“

انھوں نے کالے خان اور شادے کے بارے میں انہیں تفصیل

سے بتا دیا۔ الپکز جمشید کی پیشانی پر ہل پڑ گئے... آخر انہوں نے کہا

”یہ حالات خوفناک ہیں... صبح سویرے اس کے کارندے شہر بھر

میں الپکز کالے خان اور شادے کو تلاش کرتے پھریں گے... خیر... تم نے

اچھا کیا کہ انہیں لٹکانہ نمبر ایک پر پہنچا دیا... اس کے کارندے وہاں نہیں پہنچ سکیں

گے... تاہم احتیاط میں وہاں کے انچارج کو ہدایات دیے دیتا ہوں۔“

”ہم ابھی طرح بتا آئے تھے۔“

”پھر بھی... میں ضرورت میں محسوس کر رہا ہوں... اور ایسا میں ایک

خوف کی وجہ سے کر رہا ہوں۔“

”جی کیا مطلب؟“

”شادا بہر حال میں باغی والا کا آدمی ہے... ہو سکتا ہے... باغی

والا نے خفیہ طور پر اس کے لباس میں کوئی ایسی چیز چھپا دی ہو... جس کی وجہ سے

وہ یہ جان سکیں کہ شادا کہاں ہے... آج کل بڑے بڑے جرائم پیشہ لوگ...

اپنے کارکنوں کی نگرانی کے لیے ایسے حربے اختیار کرتے ہیں...“

”اوہ!“

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا

☆☆☆☆☆

طرح کارکن درمیان میں آج میں کے درجہ پر دو طرف سے حمد کریں گے۔"

"میں کرام کو بدایات دے رہا ہوں... لیکن شاید وہ سمجھ نہ کر سکے۔"

"جی... کیا مطلب... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"آئی جی صاحب سے کہہ کر اکرام اور اس جیسے لوگوں کی ذہنیاں پہلے ہی اصرار دھمکوادی تھی ہوں گی... تم لوگ بانی والا نہیں جانتے... وہ بہت زیادہ خطرناک ہے... اس کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں دانتوں پیسہ آ جائے گا۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"خیر تم فکر نہ کرو... ہم آرہے ہیں... آخری دم تک ان کا مقابلہ کرنا ہوگا... ان دونوں کو یہ خانے میں چھپا دو... لیکن پہلے لباس تبدیل کرا دو... اور ان کے لباس جلادو۔"

"جی بھتر!"

"ہم روانہ ہو رہے ہیں... اگرچہ میرا یہاں سے لھٹنا بھی کسی طرح مناسب نہیں۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا۔

وہ اسی وقت خان رحمان کی بڑی گاڑی میں شہر کی طرف روانہ ہو گئے اب انہوں نے اکرام کو فون کیا۔

"السلام علیکم... فوری طور پر خفیہ عمارت نمبر 1 کی طرف روانہ ہو جاؤ... کچھ خطرناک لوگوں نے عمارت کو گھیرے میں لے لیا ہے... میں اس وقت شکر پور میں ہوں... عمارت کی طرف روانہ ہو چکا ہوں... لیکن ظاہر ہے،

شادوے میاں

"ہاں، ان حالات میں انچارج کو خیردار کرنا بہت ضروری ہے۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے نمبر ملائے... جونہی انچارج کی آواز سنائی دی... انہوں نے کہا

"انہیں فوراً یہاں سے منتقل کر دو... لیکن اس سے پہلے ان کے لباس تبدیل کر دینا۔"

"مجھے افسوس ہے سر... انچارج کی پریشان کن آواز سنائی دی۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ نے بہت دیر سے اطلاع دی... عمارت کے چاروں طرف اس وقت کچھ لوگ پوزیشن لے چکے ہیں... بظاہر وہ نظر نہیں آرہے... لیکن انفراریڈ کمرے ان کی پوزیشن واضح کر رہے ہیں..."

"اوہ... اوہ... یہ اچھا نہیں ہوا... کیا تم انہیں دو گھنٹے تک روک سکتے ہو... یعنی وہ عمارت میں داخل نہ ہونے پائیں۔"

"ان کی تعداد بہت زیادہ ہے سر... میں یقین سے کچھ نہیں کر سکتا... ہاں آپ سب انسپکٹر اکرام کے ساتھ فورس روانہ کر دیں تو اور بات ہے... اس

سے کہنا پڑے گا کہ اکرام کو فداں جگہ بھیج دیا جائے... یہ نہیں کہ اوپر اوپر سے اس کی ڈیوٹی کہیں لگا دی جائے... اب چونکہ ایسا ہو چکا ہے... اس لیے میں نے اکرام کو واپس بلانا مناسب نہیں سمجھا۔“

پھر وہ آدھی اور طوفان کی طرح کار چلاتے ہوئے آخر خفیہ ٹھکانے تک پہنچ گئے... راستے میں وہ انچارج سے حالات معلوم کرتے رہے تھے... اس نے ہر بار یہی بتایا تھا کہ حالات جوں کے توں ہیں۔ جو لوگ باہر موجود ہیں، وہ اپنی اپنی جگہوں پر ہیں... کالے خان اور شادے کے بارے میں اس نے بتایا کہ ان کے لباس تبدیل کر کے، انہیں یہ خانے میں پہنچا دیا گیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ خطرے کے وقت وہ اس یہ خانے سے نکل کر درختوں کے ایک جھنڈ میں پہنچ سکتے ہیں... وہاں ہمارا ایک کارکن موجود ملے گا، وہ انہیں آگے محفوظ مقام پر پہنچائے گا۔

ان حالات میں وہ عمارت کے نزدیک پہنچ گئے... اور کار سے اتر کر آگے بڑھے... پستول انہوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے... اچانک اسپینز جیشید کو ایک زوردار جھٹکا لگا... ان کے منہ سے نکلا

”اوہ! یہ میں نے کیا کیا؟“

”جی... کیا مطلب... کیا آپ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔“

”ہاں شاید... امکان بھی ہے... اور یہ بات ابھی واضح ہو جائے گی...“

یہ کہہ کر وہ واپس مڑے اور کار تک آئے...

”سب لوگ کار میں بیٹھ جائیں... ہم اسی میں بیٹھ کر دروازے تک جائیں گے۔“

میں دو گھنٹے میں پہنچ سکوں گا۔“

”مجھے افسوس ہے سر... اکرام بولا۔“

وہ مسکرا دیے... کیونکہ وہ تو پہلے ہی خیال ظاہر کر چکے تھے

”کیا ہوا اکرام۔“ انہوں نے پوچھا۔

”آئی جی صاحب نے خاص طور پر میری ڈیوٹی میاں باقی والا کی کوشی پر لگا دی ہے... صبح سے پہلے میں وہاں سے مل نہیں سکتا... یہ ان کا حکم ہے...“

”اوہ! چھا... کوئی بات نہیں... لیکن یہ بات چیت تم اپنے تک رکھنا... کوئی یہ جاننے کی کوشش ضرور کرے گا کہ میں نے تم سے رابطہ کیا یا نہیں... عمارت نمبر ایک کے بارے میں بھی کسی کو کچھ نہ بتانا۔“

”جی بھتر...“

”اور آجیوہ کے لیے ایک ہدایت سن لو۔“

”جی فرمائیے۔“

”اگر آئی جی صاحب تمہاری ڈیوٹی کہیں خاص طور پر لگانا چاہیں تو فوراً مجھے فون کر دینا۔“

”جی! چھا! میں خیال رکھوں گا۔“

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بہت بے چین نظر آ رہے تھے... محمود نے فوراً کہا۔

”آپ نے انگل کو یہ ہدایت کیوں دی؟“

”اکرام خاص طور پر میرا اسٹنٹ ہے... اس کی ڈیوٹی کہیں لگائی ہی نہیں جاسکتی... اور اگر کوئی خاص مجبوری پیش آ جائے تو آئی جی صاحب کو مجھ

”ارے، پاپے، جشید... اگر ان لوگوں نے فارنگ کر دی۔
پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

”پھر کیا ہوا... بھاری کار تو پہلے ہی ملت پر وق ہے۔“

”اوہ ہاں... یار جشید یہ بات تو مجھے یاد ہے۔“

وہ مسکرا دیے... کیونکہ ایسے موقع پر کہا جاتا ہے... اوہ یہ بات تو میں بھول ہی گیا۔ نبھوں نے انچارج کو بتایا کہ وہ کار سمیت آ رہے ہیں۔ بے دھڑک ہو کر دروازہ کھولا دے۔ اس طرح وہ خیریت سے عمارت کے اندر داخل ہو گئے۔ کافی دیر گزر گئی... باہر موجود دشمن حرکت میں نہ آئے... بس پوریشن لیے بیٹھے رہے... پھر اچانک انہیں چھت کی طرف سے پیغام ملا

”وہ واپس جانے کی تیاری کر رہے ہیں سر۔“

”انہیں جانے دیا جائے...“ انسپکٹر جشید نے ہدایت دی۔

جلدی دہاں سے میدان صاف تھا... ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت تھی... فرزانہ سب سے زیادہ بے تاب تھی، لہذا پہلے وہی بولی۔
”آخر یہ سب کیا ہے۔“

”ہمارے خلاف منصوبہ بندی کی گئی تھی... وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہے۔“ انسپکٹر جشید نے پریشانی کے عالم میں کہا...

”جی... ہم سمجھے نہیں۔“

”کوئی نامعلوم شخص چاہتا تھا... میں 18 سے 19 تاریخ تک شکر پور میں رہوں... اس نے یہ بات ملک اور قوم کا واسطہ دے کر مجھ سے کہی تھی... ساتھ ہی اس نے درخواست کی تھی کہ اس بات کا ذکر میں کسی سے بھی نہ

کر دوں... سو میں وہاں چلا گیا تو لوگوں کو صرف یہ بتایا تھا کہ میں رات بیس گھنٹے بعد لوٹوں گا... لیکن میں یہاں کی بولن کہ خبریں سن کر وہاں سے چلا آیا... اور میں بھول گیا کہ اس نامعلوم آدمی نے کیا کہا تھا... اب اگر یہ سارا چکر مجھے وہاں سے ہٹانے کے لیے تھا، تب تو وہ اس میں کامیاب رہے ہیں اور اگر ایسی کوئی بات نہیں تو پھر وہ اس عمارت کے نزدیک آ کر خاموشی سے واپس کیوں لوٹ گئے ہیں... کالے خان و رشاد تو ابھی یہیں ہیں... یہ سارا معاملہ الجھن میں ڈال رہا ہے... نیکس، ابھی ہم یقین سے کچھ نہیں کر سکتے۔“

”مطلب یہ کہ اس نامعلوم شخص نے آپ کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا کہ شکر پور میں مسئلہ کیا ہے۔“

”نیکس اس نے کہا تھا... وہ کچھ بھی نہیں بتا سکتا... آپ اس یہاں پہنچ جائیں اور ذرا معلوم کرنے کی کوشش کریں... میں نے...“
قیسے کے حالات کا جائزہ لیا... گھوما پھرا... پولیس اسٹیشن کی سیر کی... ان سے بھی یہی پوچھا کہ یہاں حالات ٹھیک تو ہیں... انہوں نے کہا... ہاں جناب بالکل ٹھیک ہیں... یہاں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں ہے... میں دیکھتا پھر رہا تھا اور ابھی وہاں ٹھہرنے کا ارادہ تھا کہ ادھر کے حالات سن لیے... اور فوراً ادھر آنے کا پروگرام بنالیا... اب ذرا غور کرو... ابھی شاد سے نے کار نہیں چرائی تھی... اور اس نامعلوم آدمی کے فون کی وجہ سے میں شکر پور جا چکا تھا... ایسے میں میاں باغی والا کو یہ بات معلوم ہو گئی... یا اسے کسی نے یہ بات بتا کر خود کہا کہ انسپکٹر جشید کو کسی نہ کسی طرح واپس دارالحکومت میں بلا لیا جائے... چنانچہ یہ ڈرامہ رچایا گیا... اور اس کا مطلب ہے...“

وہ کہتے کہتے رک گئے... ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی...

پھر انہوں نے انچارج کے کان میں کچھ کہا... وہ فوراً عمارت سے باہر چلا گیا...
 "آپ کیا کر رہے ہیں... اس کا مطلب کیا ہے؟"

"اس کا مطلب... خیر چھوڑ دو... جو مطلب ہے... وہ سامنے بھی
 جائے گا... کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ میں یہاں... پس
 آگیا ہوں تو وہ میدان سے ہٹ گئے... حالانکہ دیکھا جائے تو وہ کا... خاں
 اور شادے کے سلسلے میں آئے تھے... جب پھر انہیں چھوڑ کر کیوں چلے گئے..."

"آپ کی باتوں میں وزن ہے۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے۔"

"رنگین۔" وہ بولے۔

اس وقت انچارج واپس آگیا... اس نے ہاں میں سر ہلا دیا...
 "ٹھیک ہے... اب تم انہیں دفنانے سے لے آؤ۔"
 "جی اچھا۔"

انچارج گیا اور ان دونوں کو لے آیا... کالے خان نے فوراً پر
 جوش انداز میں انسپکٹر جمشید سے ہاتھ ملایا جب کہ شاد پریشان نظروں سے انہیں
 دیکھنے لگا:

"تو آپ ہیں شادے صاحب۔"

"جی... جی۔" وہ ہلکایا۔

"خطرہ نکل گیا ہے... اب آپ لوگ بے فکر ہو کر اپنے گھروں کو جا
 سکتے ہیں۔"

"آپ... آپ کا مطلب ہے... میں باغی والا اب ہمیں کچھ نہیں
 کہے گا۔"

"ہاں! یہی بات ہے... اور میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پھر شکر پور
 جا رہا ہوں... نہ جانے وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"شکر پور... کیا مطلب؟" کالے خان کے بچہ میں حیرت تھی...
 جب کہ شادے کی "تھکوں میں شکر پور کا نام سن کر خوف منہ آیا تھا۔

"مسٹر شادے... اب ساری بات صاف صاف بتا دو۔"

"جی... کیا مطلب؟"

"میں نے کہا ہے... ساری بات صاف صاف بتا دو۔"

"آخر کون سی بات۔"

"جس میں باغی والا نے کیا ہدایات دی ہیں۔"

"جی کوئی بھی نہیں... میں تو کار چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا...
 اور بس... میرا خیال تھا... وہ مجھے فوراً چھڑا لے گا... لیکن انسپکٹر صاحب نے
 بتایا کہ وہ تو میری موت چاہتا ہے... اس کے بعد تو جو کچھ پروگرام بتایا... انسپکٹر
 صاحب نے بتایا... میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

"ہاں جناب! یہ ٹھیک ہے۔" کالے خان نے فوراً کہا۔

"اس کی وجہ ہے... اگر آپ اسے لے کر میرے پاس نہ آتے تو یہ
 خود یہ تجویز پیش کرتا... مطلب یہ کہ باغی والا کا منصوبہ صرف یہ تھا کہ میں شکر پور
 سے فوراً واپس آ جاؤں... اور اس کا مطلب ہے... وہاں کچھ گڑبگڑ ہے۔
 کچھ... شادے میاں۔"

انہوں نے گہرے طعنے لہجے میں کہا اور بھران کا ہاتھ بجلی کی سی
 تیزی سے حرکت میں آگیا۔

عمارت میں چھوڑ کر شکر پور آ جاؤ۔ جب ہم سے کچھ کہتا ہوا ہو جاوے کے باوجود بھی انپکنز جمشید شکر پور سے رونا نہیں دیتے۔ ہم نے حیرت تو اس طرح گھیرے میں سے لیا کہ ظاہر تو یہ ہوتا ہے ہم یہ کام حیدر پور سے ہیں، لیکن وہ لوگ ہمیں دیکھ کر پریشان ہو جا میں اور انپکنز جمشید شکر پور سے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا... اور آخر وہ شہر کی طرف چلے آئے... اب ظاہر ہے ہمیں چار گھنٹہ مل گئے تھے... چار گھنٹے سے پتہ انپکنز جمشید واپس شکر پور نہیں آتے تھے... لہذا ہم نے اپنا کام کر ڈالا۔

”واہ میرے شیر... کیا خوب یہ ہے کام... اور اب یہاں کی پوزیشن کیا ہے۔“

”ہم نے اپنے آدمی وہاں سے واپس بلا لیے... اب رہ گیا شادا... ظاہر ہے... انپکنز جمشید اسے رہا کر دے گا... یا زیادہ سے زیادہ کالے خان کے حوالے کر دے گا اور کالے خان اسے حوالات میں بند کر دے گا... ہمارا وکیل اسے چھڑا لے گا۔“

”خوب خوب!... تمہارا جواب نہیں کاٹا... تم نے زیر دست منصوبہ بندی کی... میں تو ایسا کوئی منصوبہ بنانی نہیں سکتا تھا۔“

”ہوں... خیر... اب تم شادے کی فکر کرو... وہ ہمارا بہت اچھا کارکن ہے، وہ کل تک ہمارے ساتھ ہو گا۔“

”نھیک ہے... چلو ہم اس کام سے فارغ ہوئے... اوکے کاٹل... تم آرام کرو۔“

کاٹل اٹھ اٹھا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی... میاں باٹلی والا نے فون کا بٹن دبایا اور سیٹ کان سے لگا لیا... پھر دوسری طرف کی خبر سن کر وہ اٹھل پڑا...

شارجہ

میاں باٹلی والا کے کمرے میں ایک عجیب سی شکل صورت کا آدمی داخل ہوا۔ دیکھنے میں بالکل دہلا پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں زرد تھیں اور اندر کو دھکی ہوئی تھیں۔ ناک حد درجے پتلی سی اور چہرے کے ساتھ لگی ہوئی سی تھی۔ چہرہ لہبا تھا... سر کے بال کسی صمازی کی طرح تھے۔

”ہوں کاٹل... کیا رپورٹ ہے۔“

”ہم مکمل طور پر کامیاب ہیں... شادے نے اپنا کردار خوب نبھایا۔ کالے خان اس پر ذرا بھی شک نہیں کر سکا اور اس سے پہلے کہ کالے خان خود ہی یہ تجویز پیش کرنا کہ اس معاملے میں انپکنز جمشید ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں... کالے خان نے خود ہی یہ پروگرام بنا لیا... اور اسے انپکنز جمشید کے گھر لے گیا... ظاہر ہے وہاں ان دونوں کی ملاقات انپکنز جمشید کے بچوں سے ہونا تھی... اور شکر پور میں انپکنز جمشید کوشش کے باوجود کوئی بات نوٹ نہ کر سکے... تنگ آ کر انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو وہاں بلائے گا ارادہ کیا اور فون پر رابطہ کیا... ان تینوں نے کالے خان اور شادے والی کہانی سنا دی... انپکنز جمشید نے اس کہانی کو اہمیت نہ دی اور ان سے کہا کہ ان دونوں کو خفیہ

فورا ہی کالم کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔
 ”کالم... کالم ہے... گزیر ہو گئی... فون شادے کا تھا۔“

”کالم... اس نے کیا کہا ہے۔“

”اس کا کہنا ہے... انسپکٹر جمشید اس سے سوالات کر رہے تھے کہ
 اچانک انہوں نے اس کے سر پر زوردار ہاتھ دے مارا... وہ بے ہوش ہو گیا...
 ہوش میں آیا تو اس نے خود کو ایک کمرے میں قید پایا ہے... اس نے اپنی خفیہ
 جیب کو نڈلاتا تو فون موجود تھا... بس اس نے فوراً مجھے فون کر ڈالا۔“
 ”دست حیرے کی۔“ کالم نے جھٹکا کر کہا۔

”کیوں... کیا ہوا؟“

”یہ اس سے زبردست غلطی ہوئی... انسپکٹر جمشید اسے الگ کمرے
 میں بند کر کے بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کسی کو فون تو نہیں کرتا... اور ظاہر
 ہے... اور ظاہر ہے... بے ہوش کرنے کے بعد انہوں نے اس کی اچھی طرح
 تلاشی لی ہوگی... اور جو بھی اس نے آپ کو فون کیا... وہ اسی وقت کمرے میں
 آگئے ہوں گے اور فون اس سے چھین لیا ہوگا... اور اس پر فون نمبر دیکھ لیا ہوگا
 اور انہوں نے جان لیا ہوگا کہ وہ نمبر آپ کا ہے۔“

”نہیں خیر... یہ تو وہ نہیں جان سکتے۔“ میاں باغی والا نے پریشانی
 کے عالم میں کہا۔

”وہ کیسے؟“

”اس لیے کہ یہ فون چرائے ہوئے ہیں... ان سے میرا نام معلوم

نہیں ہو سکتا...“

”لیکن وہ اس نمبر پر آپ کو فون تو کر سکتے ہیں۔“

”میں ابھی یہ سمجھا کر صانع کر دیتا ہوں۔“
 ”لیکن آپ شادے کا کیا کریں گے... شادے تو اب ان کے قابو میں
 ہے۔“

”اس کا بیان کوئی اہمیت نہیں رکھتا... اس سے زبردستی کچھ بھی انگوایا
 جاسکتا ہے۔“

”ہوں! ٹھیک ہے... لیکن اس کے باوجود میرا ایک مشورہ ہے۔“
 ”اور وہ کیا۔“

”میری فرصت میں انسپکٹر جمشید کو مل زمت سے فارغ کرا دیں... اس
 صورت میں وہ آپ کے خلاف کوئی کارروائی جاری نہیں رکھ نہیں سکیں گے اور
 میں ان سے بہت ہوں گا... وہ بھی شکر پور میں۔“

”کیا مطلب... شکر پور میں کیوں؟“

”تجربہ ہے... انسپکٹر جمشید ایک بار تو شکر پور ضرور جائے گا۔ یہ
 جاننے کے لیے کہ اسے وہاں سے ہٹائے کی کوشش کیوں کی گئی ہے۔“

”اور وہاں یہ ٹھیک رہے گا... تم اس کا کام وہاں تمام کر دو۔“

”فکر نہ کریں... وہ اب مجھ سے بچ نہیں سکے گا... لیکن محصل تو
 آپ اسے کراچی دیں... اس لیے کہ... اس صورت میں اتنا ہم اس کے خلاف
 قانون کی مدد لے سکیں گے۔“

”فکر نہ کر دو... میں ابھی فون کرتا ہوں... تم شکر پور کی تیاری
 کرو۔“

یہ سنتے ہی کالم کمرے سے نکل گیا... اب اس نے صدر
 صاحب کے نمبر ڈائل کیے۔ جو بھی ان سے سلسلہ ملا، اس نے کہا

”صدر صاحب! انسپکٹر جمشید میرے لیے ناقابلِ براشت بننا چاہا ہے... بلکہ آپ کے لیے بھی مستقبلِ قریب میں دوسرے بننے والا ہے...“
 ”وہ ہوا چھا... آپ فکر نہ کریں میاں صاحب... میں ابھی اس کا انتظام کیے دیتا ہوں۔“

جدی آئی جی صاحب کو بتایا گیا کہ صدر صاحب ان سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فوراً نمبر ملایا... دوسری طرف سے صدر صاحب نے بہت تیزی کے عالم میں کہا۔
 ”انسپکٹر جمشید کو ابھی اور اسی وقت معطل کر دیا جائے اور ان سے احکامات پر دستخط بھی لے لیے جائیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا... آئی جی صاحب دھک سے رہ گئے لیکن کربھی کیا سکتے تھے۔ انہوں نے فوراً انسپکٹر جمشید کے گھر کے نمبر ڈائل کیے وہاں سے بیگم جمشید نے بتایا کہ وہ کسی کیس کے سلسلے میں گئے ہیں... کہاں گئے ہیں، یہ انہیں معلوم نہیں۔“

انہوں نے فوراً ان کے موبائل نمبر ڈائل کیے... لیکن موبائل بند ملا، باری باری محمود، فاروق اور فرزانہ کے نمبر ڈائل کیے... ان کے فون بھی بند ملے... بجک آکر انہوں نے پروفیسر داؤد اور خان رحمان کے نمبر آزما ڈالے... وہ بھی بند تھے... اب تو وہ پریشان ہو گئے... کیونکہ کسی وقت بھی صدر صاحب اپنے احکامات کی تعمیل کے سلسلے میں پوچھنے والے تھے...

انہوں نے ادھر ادھر فون شروع کیے... لیکن ان کا کوئی پتہ نہ چلا... اچانک انہیں اکرام کا خیال آیا... اس سے تو انہوں پوچھا ہی نہیں تھا... انہوں اس کے نمبر ڈائل کیے... اور بولے۔

”اکرام... اس وقت انسپکٹر جمشید کہاں ہیں؟“
 ”سر! معاف کیجیے گا... آپ نے میری ڈیوٹی میاں باغی، لائی وشی پر لگائی ہوئی ہے۔“

”اوہ ہاں... واقعی۔“ انہوں نے گہرا کہا۔

”پھر بعد میں کیا بتا سکتے ہوں کہ وہ کہاں ہیں۔“

”تب پھر سنو! تم باغی والا کے ہاں چلے آؤ... اور یہ جاننے کی سرٹورڈ کوشش شروع کر دو کہ انسپکٹر جمشید کہاں ہیں... جہاں بھی ہیں، میرا پیغام انہیں دو کہ وہ فوری طور مجھ سے فون پر رابطہ کریں۔“

”جی اچھا...“ اکرام نے کہا اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

اس وقت ان کے فون کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھ لیا کہ فون صدر صاحب کا ہے... اب تو وہ پریشر ہو گئے... آخر ایسی بھی کیا جلدی... ابھی ابھی تو حکم دیا ہے... حیر... نہیں سننا پڑا۔ ان کی آواز سننے ہی صدر صاحب بولے:

”کیا رہا... آپ نے فون پر اطلاع کیوں نہیں دی۔“

”میں اس وقت سے انسپکٹر جمشید کی تلاش میں ہوں سر... ان کا کہیں پتا نہیں... سب کے موبائل بند ہیں۔“

”حیرت ہے... کمال ہے... خیر آپ ان کی تلاش جاری رکھیں۔ ان کی معطلی کی خبریں اخبارات میں لگوادیں اور ساتھ ہی ان کی ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کرا دیں۔“

”بہت بہتر سر۔“ وہ فوراً بولے۔

دوسرے دن کے اخبارات میں یہ خبریں موجود تھیں... انہوں

نے خبریں پڑھیں... اپنی گرفتاری کے احکامات بھی پڑھے اور مسکرا دیے... وہ اس وقت شہر پور کے ایک ہوٹل میں موجود تھے... انہوں نے اپنے حلیے تبدیل کر لیے تھے، در کوئی نزدیکی آدی بھی انہیں پہچان نہیں سکتا تھا... ہوش میں آنے کے بعد شادے نے جب ہانکی والے سے فون پر رابطہ کیا تھا تو وہ دوسرے کمرے میں بیٹھنے والی سکرین پر اسے دیکھ بھی رہے تھے اور سن بھی رہے تھے... اندازہ وہ پہلے ہی کاچکے تھے کہ یہ ساری ساری انہیں شہر پور سے نکالتے کے لیے کی گئی تھی... لہذا یہ بات سمجھ میں آتے ہی وہ بھلا دار حکومت میں ٹھہر کر کیا کرتے، اسی وقت شہر پور کے لیے روانہ ہو گئے تھے... اور جب تک "لیٹی صاحب" پولیس کو احکامات جاری کرتے، وہ شہر پور پہنچ چکے تھے۔

"جیشید" یہاں جو ہونا تھا، وہ تو ہو بھی چکا... کیونکہ وہ جیشید یہاں سے چند گھنٹوں کے لیے بنانا چاہتے تھے... اور بس... مگر انہیں جو کچھ کرنا تھا وہ انہی چند گھنٹوں میں کرنا تھا... لہذا انہیں تو اب ختم ہو چکا ہے... اب ہم یہاں کیا کریں گے؟"

"یہ تو معلوم کرنا ہو گا کہ یہ سب چکر کیا تھا... مجھے یہاں سے ہٹا کر انہوں نے کیا کیا ہے... اب یہاں کوئی خوفناک کام ہوا ہے... سوال یہ ہے کہ وہ کام کیا تھا..."

"بھلا ہم کس طرح بتا سکتے ہیں... فیصلہ کا علم تو ہمیں ہے نہیں... "قادر" نے منہ بتایا۔

"مج سے ہم اس قہرے کا بغور جائزہ لیں گے... دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں سے کون سب سے پہلے اس بات کو بھانتا ہے جو یہاں ہو چکی ہے... "وہ مسکرائے۔

"میرے اخیال ہے جیشید یہ کام مشکل ترین ثابت ہو گا... "پروڈیوسر" داؤد بولے۔

"اے ہو... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... "ایبت" میں اسکا جیشید کے منہ سے ماورے حرمت کے الفاظ۔

"نہایت... اچھا وہ ہوٹل کے صدر دروازے کی طرف، کچھ رہتے تھے... اس وقت وہ ہوٹل سے بال میں بیٹھ تھے... اور یہ وقت تھا ان کی شام کی چائے کا... انہوں نے دیکھا... ہوٹل کے دروازے سے ایبت بہت خوفناک شکل صورت کا آدمی ادر آیا تھا... اس کا صیغہ بھی عجیب سا تھا... اس کی فحوی پر ایک گہرا غم تھا... اس طرح وہ فحوی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی... اور چہرہ زیادہ ہی خوفناک ہو گیا تھا۔"

"کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

"ہاں ایبت اچھی طرح... یہ شادو ہے..."

"تمہوں نے دیکھا، شادو نے... "پروڈیوسر" نے ہال پر نظر ڈالی تھی... اور پھر ایک کونے کی میز پر جا بیٹھا تھا۔

"یہ کون ہے... کیا ہے۔"

"ایک خطرناک جرائم پیشہ... اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہمارے دشمن ملک کے لیے کام کرتا ہے... لیکن آج تک یہ بات ثابت نہیں کی جاسکی... شک کی بنیاد پر اسے کئی بار گرفتار کیا گیا... لیکن کچھ ثابت نہیں کیا جاسکا... سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیا کر رہا ہے... خیر... پہلے تو اس کی مگرانی کے لیے کسی کو مقرر کر دیں۔"

اب انہوں نے خفیہ فیس سے انچارج کے نمبر ڈائل کیے...

اپنے ساتھ وہ اس خفیہ کارکن بھی اس قصبے میں لے آئے تھے۔ سلسلہ طے پروہ

”ہوٹل میں ابھی ابھی شادو داخل ہو ہے۔۔ اس کی مگر فی
محس حور پر شروع کر دو۔۔ اور مجھے ساتھ ساتھ رپورٹ دیتے رہنا۔“
”بہت بہتر سر۔“

جونی انہوں نے فون بند کیا، وہ ایک بار پھر دور سے
چوٹے۔۔۔ کے چہرے پر حیرت ہی حیرت چھائی۔

☆☆☆☆☆

راست اقدام

ہوٹل میں پانچ آدمی داخل ہوئے تھے۔ ان کے چلے چھنے
ہوئے بد معاشوں جیسے تھے۔ انپکڑ جھید انہیں دیکھ کر چوٹے گئے تھے
”شش شاید آج چوٹے کا دن ہے۔۔۔ چہنے یہ بھی بتادیں کہ آپ
انہیں دیکھ کر کیوں چوٹے گئے ہیں۔“
”میں انہیں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ یہ کاظم شاہ کے لیے کام
کرتے ہیں۔“ انہوں نے دہلی آواز میں کہا۔
”اور یہ کاظم شاہ کون صاحب ہیں۔۔۔ شاید ہم پہلی بار ان کا نام سن
رہے ہیں۔“

”باغلی والا کی مخالف سیاسی جماعت کا لیڈر۔۔۔ غالباً کاظم شاہ کو معلوم
ہوا ہوگا کہ قصبہ شکر پور میں باغلی والا کے آدمی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں تو
اس نے بھی اپنے آدمی ادھر بھیج دیے۔۔۔ لیکن یہ کیا یہ تو شادو کی میز کی طرف
جار ہے ہیں۔۔۔ حت۔۔۔ تو کیا۔۔۔ شادو اس وقت کاظم شاہ کے لیے کام کر رہا
ہے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ ان کی آنکھوں میں الجھن نظر آنے لگی۔۔۔
پانچوں دوستانہ انداز میں شادو کی میز کی کرسیاں گھسیٹ کر ان

پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے شادو کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی... اب انہیں اس بات میں شک نہیں رہ گیا کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں... اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شادو کا علم شاہ کے لیے کام کر رہا ہے جب کہ حقیقت میں شادو دشمن ملک کا آدمی تھا...

”تو کیا... کاظم شادو کی سیاسی جماعت دشمن ملک کے لیے کام کر رہی ہے۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”افسوس! یہاں اس وقت ضرور کچھ ہوا ہے... جب آپ کے یہاں اس شہر سے چلے جانے کی سازش کی گئی تھی... لال... لیکن...“ فرزانہ کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”لیکن کیا۔“ خان رحمان بے چینی کے عالم میں بولے۔

”لیکن یہ تو بہت عجیب بات ہوگئی... اس قصبے میں اگر کوئی کارروائی کی گئی ہے اور اس کارروائی کے سلسلے میں ان لوگوں نے سازش کر کے مجھے شہر جانے پر مجبور کر دیا تھا تو پھر یہ کام باغی والوں نے کیوں کیا... یہ کام تو ان لوگوں کو لینا چاہیے تھا...“

”آف مالک! شدید ترین الجھن محسوس ہو رہی ہے... پکڑ سبھ میں نہیں آ رہا۔“ پروفیٹر داؤد بے چینی کی حالت میں بولے۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے... کیا ان دونوں جماعتوں کے لیڈران اندر سے ایک ہیں... اور بظاہر ایک دوسرے کے دشمن ہیں... ہوں... ضرور ایسا ہی ہے... اور اب دوستو... میں کچھ کچھ اندازہ لگا رہا ہوں کہ یہاں کیا ہوا ہے۔“

”جب پھر بتائیں... کیا ہوا ہوگا۔“ فرزانہ بولی۔

”نہیں اسی لیے انہوں نے شادو کو اٹھے دیکھا... وہ پانچوں جوں کے توں بیٹھے رہے۔“

”شادو جا رہا ہے... خیر فورس اس کا تعاقب کرے گی... لہذا ہم ابھی یہیں ٹھہریں گے... تاکہ ان پانچوں کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا... انہوں نے سر ہلادیا۔

اچانک وہ پانچوں اٹھے... اور اندر کی طرف چلے... محمود... صرف تم ان کے پیچھے جاؤ... سرور مت محسوس کرو تو مس کال دے دینا... ہم بھی آجائیں گے۔“

محمود نے سمجھ جانے والا انداز میں سر ہلایا اور چلا گیا... جلد ہی اس کی طرف سے مس کا ریلی... وہ فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس سمت میں بڑھے... محمود انہیں ایک کمرے کے سامنے کھڑا نظر آیا

”وہ اس کمرے میں داخل ہوئے ہیں... اندر کافی ہنگامے کی آوازیں آرہی تھیں... اب رک گئی ہیں... اسی لیے میں نے آپ کو مس کال دی تھی۔“

”اوہ اچھا۔“

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی... دروازہ کھل گیا... فرش پر انہیں ایک آدمی اور دو منہ پڑا نظر آیا... انہوں نے آؤد کھانہ تاکہ... اندر داخل ہو گئے، اور وہ اندر داخل ہوئے... اور دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔ وہ چونک کر دروازے کی طرف مڑے:

”ارے! یہ دروازہ کس نے بند کر دیا؟“ پروفیٹر داؤد کے منہ سے

”کالے چور نے“ سپہزنجیہ مسکرائے۔

”سیرت ہے... کالا چور یہاں نہیں سے آگیا۔“ قاروق دل
خدا۔

وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ اب وہ اس اونٹن سے منہ آگئی کی
طرف حڑے، انپکڑ جھید اس پر جھکتے ہوئے ہوئے:
”کیا ہوا بھائی... خیر تو ہے۔“

اس نے کوئی جواب نہ دیا... اب تو وہ پریشان ہو گئے...
کندھے سے ہنر کر اسے ہدایا تو وہ پہلو کے بل لڑھک گیا... ساتھ ہی ان کے
منہ سے مارے خوف کے نکلا:
”رے باپ رے۔“

وہ جو کوئی بھی تھا... مر چکا تھا... اس کی آنکھیں اور زباں باہر
کونکلی ہوئی تھیں... گویا اس کا گلا کھونکا گیا تھا... اور پھر اونٹن حال لایا گیا تھا۔
”یہ... یہ کون ہے؟“ خان رحمان ہکلائے۔

”پہپ... پتا نہیں... میں نے تو ان پانچوں کو اندر داخل ہوتے دیکھا
تھا... ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا تھا... تاہم میں نے لاک کھٹنے کی آواز نہیں سنی
تھی۔ سو میں نے آپ کو مس کال دے دی...“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”لیکن وہ پانچوں کمرے میں نہیں ہیں... نہ اس کمرے میں ایسے
کوئی آثار موجود ہیں جیسے اس کمرے میں ہم سے پہلے پانچ آدمی داخل ہوئے
تھے... کیونکہ فرش پر صرف ہمارے جوتوں کے نشانات نظر آرہے ہیں... ان
میں سے کسی کے جوتوں کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا اور کیا یہ بات عجیب نہیں۔“
انپکڑ جھید روانی کے عالم میں کہنے چلے گئے۔

”آپ کا مشہور واقعی مت ہیج ہے... میں نے بھی یہ بات
محسوس نہیں کی تھی... خدا ہے... وہ پانچوں اس کمرے کی سامنے والی دیوار
میں موجود دروازے کے ریتے گل کر گئے ہیں... یہ کہتے محمود اس دروازے
کی طرف بڑھا... لیکن وہ دروازہ اب نہیں ہے اس دروازے کو کھولنے کی
کوشش کی... جس سے تار وہ دروازہ تھک چکا۔ یہ دروازہ بھی نہ کھلا۔
”رے دو... کوشش محض ہے۔“ انپکڑ جھید نے منہ بتایا۔
”جی کیا مطلب۔“

”وہ پانچوں اس طرف سے داخل ہوئے۔ اور اس طرف سے نکل
گئے... پتا نہیں یہ شخص پیٹ سے یہاں مرد پڑا تھا۔ یہ وہ پانچوں اسے ہلاک
کر کے نکل گئے تھے... بھی وہ اسی الجھن میں تھے کہ دروازہ زوردار انداز میں
کھلا... اور پھر کچھ لمحوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
”خبردار! تم لوگ حرکت نہیں کرو گے۔۔۔۔۔۔“

”آپ کی بات کا جواب دینے کے لیے کم از کم زباں کو تو حرکت دینا
پڑے گی...“ قاروق نے منہ بتایا۔

”لاش تو یہاں واقعی موجود ہے... اس کا مطلب ہے... فون کرنے
والے نے غلط نہیں کہا تھا۔“

”کیا مطلب... کس نے فون کیا تھا آپ کو۔“ انپکڑ جھید نے
بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

”کسی نامعلوم آدمی نے فون پر اطلاع دی تھی کہ ہوش الماس کے کمرہ
نمبر 203 میں کچھ لوگ ایک شخص کو مارے ڈال رہے ہیں... میں نے موقع پا کر
دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے... سو آپ چلے آئیں... بس پہنچ گئے... ہذا ہم

میں سے کوئی مر جائے تو بھی پروا نہ کرنا... میں دیکھ لوں گا۔"

"دیکھ تو آپ اب بھی رہے ہیں... اس سے زیادہ کی دیکھیں
میں... آپ کی آنکھیں دو سے چار تو ہو نہیں جائیں گی۔" فاروق نے جل بھن
کر کہا۔

"سنا تم نے... یہ مجھ سے کس انداز میں بات کر رہے ہیں...
پولیس انسپکٹر نے تھلا کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں سر! یہ ایک ہی رات میں سب کچھ بھول جائیں
گے اور اپنے جرم کا فر فر اقبال کریں گے۔" ماتحت نے ہنس کر کہا۔
"شاباش۔"

اور پھر انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔ ماتحت نے جاتے
ہوئے کہا:

"رات کو تم سے دودو باتیں ہوں گی۔"

"شاید نہ ہو سکیں... ہمیں ذرا جلدی ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا کہا... جلدی ہے... گویا یہاں سے جانا تمہارے بس میں
ہے۔"

"جی ہاں بالکل... ویسے اگر آپ ضروری ہم سے دودو باتیں کرنا
چاہتے ہیں تو پھر ہم دودو کیا چار چار باتیں کرنے کے بعد یہاں سے چلے جائیں
گے۔"

"ضرور تم پاگل ہو... میں پاگلوں کی باتوں کا برا نہیں مانتا۔" ماتحت
بولا۔

"جب ہماری دودو باتیں ہوں گی، اس وقت پاگل پن کا بھی فیصلہ

یہاں آگئے... اور ہم دیکھ رہے ہیں، فون کرنے والے کا بیان بالکل درست
تھا... یہاں واقعی ایک لاش موجود ہے... اور قاتل بھی موجود ہیں... گرفتار
کر لو انہیں۔"

"آپ اپنی بات کو ثابت نہیں کر سکتے... بلکہ ہم اس بات کو بخوبی
ثابت کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جشید مسکرائے۔

"کیا مطلب... آپ کیا ثابت کر سکتے ہیں؟"

"یہ کہ یہ قاتل ہم نے نہیں کیا۔"

"تم لوگ رکتے ہاتھوں پکڑے گئے ہو... لہذا ہم تمہاری یہ بات
کس طرح مان لیں۔"

"ماننا پڑے گی... عدالت بھی اس بات کو مانے گی اور ہمیں باعزت
بری کرے گی۔"

"جی نہیں! میرے ہوتے ہوئے، یہ کس طرح ہو سکتا ہے... آپ کو
جو کچھ کہنا ہے... عدالت میں جا کر کہیے گا... اس وقت نہیں۔"

پھر ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں... وہ ان کے
مقابلے کر بھی کیا سکتے تھے... پھر انہیں حوالات لایا گیا... پولیس انسپکٹر نے
فطرت زدہ انداز میں اپنے ہاتھوں سے کہا:

"ان سے ان کا جرم اگلاؤ... آج رات کی مہلت ہے... صبح تک
ان لوگوں نے اپنا جرم قبول نہ کیا تو جواب دینے کے لیے تیار رہنا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ان کے تو بڑے بھی اپنا جرم قبول کریں گے...
یہ تو ہیں کس کھیت کی مولیاں۔"

"شاباش شیر بہادر مجھے تم سے بھی امید ہے... اور ہاں، ان

ہو جائے گا۔“ فاروق پھر بولا۔

”بس کرو... جاے دو نہیں، بڑا مان جائیں گے... اور بڑا مان جاے کی صورت میں تم سے مرید و دو بتائیں کرنے کی کوشش کریں گے...“
”جی اچھا آپ کہتے ہیں تو جانے دیتا ہوں...“ فاروق نے ہر سامعہ بتایا۔

ماتحت بھی بڑے بڑے منہ بنانا چلا گیا... انہیں کھانا اور پانی بھی نہ دیا گیا... لیکن وہ اس قسم کے حالات کے عادی تھے۔ اور پروفیسر داود کی جیہوں میں مینگی گولیوں کی شکل میں سکی دوا موجود ہوتی تھی جس کے چوس لینے سے جھوک اور پیاس کا احساس بچھو دقت کے لیے ختم ہو جاتا تھا... پھر رات کے دو بجے حالات کا دروازہ کھلا، ماتحت اپنے چھوڑ تھیں کے ساتھ اندر داخل ہوا... ان کے ہاتھوں میں علم و ستم توڑنے کے خوفناک آلات تھے... ماتحت کے ہاتھ میں پستول تھا... اس نے اندر آتے ہی چیخ کر کہا
”مارو انہیں۔“

وہ ایک دم ان پر پل پڑے... لیکن ان کے آلات دیواروں سے ٹکرائے اور وہ الٹ الٹ کر گرے... یہ منظر ماتحت کے لیے حیران کن تھا... اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور پستول وال ہاتھ تن گیا۔
”نہیں چھوڑوں گا۔“ وہ فرمایا۔

”ہم نے کہا بھی نہیں... آپ ہمیں چھوڑ دیں... یہاں سے تو ہم اپنے مل بوتے پر جائیں گے۔“ محمود نے جلدی سے کہا۔
”اور کہیں گے بھی نہیں۔“ فرزانہ نے ہانک لگائی۔

ادھر اس نے فارز کردیا، گولی دیوار پر لگی... دیوار کا پلستر اکھڑ

گیا۔ اس نے نشانہ محمود کو بتایا تھا۔ دوسری طرف مڑا دیکھا...
”ایک فارز اور۔“ فرزانہ بولی۔

”تم لوگ اپنی موت و حیات سے چلے ہو۔“ وہ پھر بولا۔

”اس اطلاع سے سب ہم آپ کے شہر گزار ہیں۔“ فاروق ہنس۔

اس کا چہرہ اور سرخ ہو گیا... اس نے اندھا اندھ دیر تک کر کے اپنا پستول خالی کر دیا...

”اب اس پستول کو اپنے سر پر مار لیں۔“

اب تو اس کا منہ پھیل گیا... آنکھوں میں خوف دوڑ گیا... ادھر الیکٹرک جھینڈ تیر کی طرح دروازے پر آئے اور اس کو اندر سے بند کر دیا۔

”اب آپ لوگ ہماری دو باتیں سنیں گے... آپ کی ہم سن چکے ہیں... ہم لوگ بے گناہ ہیں... قتل کی اس واردات سے ہمارا دور کا بھی واسطہ نہیں... یہ ہم لوگوں کے خلاف سازش تھی... اس کا ثبوت ہم کسی وقت ضرور دیں گے... ثبوت دے کر ہی اس قہر سے جائیں گے... اب ہم جا رہے ہیں... اگر آپ نے اب بھی ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی تو پھر ہم آپ لوگوں کو سزا دیں گے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے... اس وقت بھی آپ لوگ کو پتہ ہے کہ بغیر یا نقصان پہنچائے بغیر اگر ہم جا رہے ہیں تو صرف اس لیے کہ آپ قانون کے محافظ ہیں... اور قانون کے محافظوں پر ہاتھ اٹھانا ہماری عادت نہیں... ہم قانون کے محافظوں کا احترام کرتے ہیں... قصور آپ لوگوں کا بھی نہیں... آپ کے تھانے دار صاحب کا ہے... انہوں نے سوچا نہ سمجھا... ہمیں آلات بھیج دیا اور جرم انکوائری کا حکم دے دیا... ان سے کہہ دیتا کہ انہیں تفتیش کرنے کے کر سیکھ لینے چاہئیں... پہلے یہ جائزہ لے لینا چاہیے کہ جسے ہم گرفتار کر

رہے ہیں... اس کے مجرم ہونے کے کتنے فی صد امکانات ہیں... مار پیٹ کرنے کا جواز بھی ہے یا نہیں... بلاوجہ مار پیٹ نہیں کرنی چاہیے... یہ تفتیش کا کوئی طریقہ نہیں..."

یہ کہتے ہوئے وہ حالات سے باہر نکل آئے... ان کے ساتھی بھی باہر آ گئے... حالات کا دروازہ انہوں نے باہر سے بند کر دیا... وہ سب بت بنے انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے... کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ انہیں روکنے کی کوشش کرنا... تھانے کے احاطے میں ان کی گاڑی موجود تھی... ظاہر ہے... پولیس ان کی گاڑی بھی تھانے میں لائی تھی... چابی بھی اس میں لگی ہوئی تھی... وہ گاڑی میں سوار ہو گئے اور تھانے سے نکلے ہی رفتار تیز کرتے چلے گئے...

"اب ہم کہاں جائیں گے جشید... سارے قصبے کی پولیس اب تو ہماری تلاش میں نکل کھڑی ہوگی..."

"اب ہم ایک بار پھر جیل تبدیل کریں گے..." انسپکٹر جشید بولے۔
"لیکن گاڑی کا طیلہ کیسے تبدیل کریں گے..." فرزانہ بولی۔

"یہ خانہ دھان کی گاڑی ہے... کوئی مذاق نہیں... اس کا رنگ اور نمبر پلیٹ بھی تبدیل ہو سکتی ہے... اور ایسا ہونے میں کوئی دیر بھی نہیں لگے گی..." لیکن ابا جان... کار کا ماڈل تو وہی رہے گا... اور میرا خیال ہے... ان لوگوں نے ہمیں... گاڑی اور ہماری تعداد اور مذکر اور مؤنث کی انگ انگ تعداد کی بنیاد پر پہچانا ہے..." فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ہاں ایسے سب باتیں میرے ذہن میں ہیں... تم غور نہ کرو... ہم فی الحال جنگل کا رخ کر رہے ہیں... درختوں کے کسی جھنڈ میں ہم یہ ساری تبدیلی

عمل میں لائیں گے..."

جلد ہی وہ اپنے محلے تبدیل کر رہے تھے... گاڑی انہوں سے وہیں چھوڑ دی... کیونکہ اس کی وجہ سے انہیں پہچانا جاسکتا تھا... پھر آبادی کے قریب پہنچ کر وہ دوپارنیوں میں تقسیم ہو گئے... ہوٹل ابتر انہوں نے وہی تجویز کیا تھا... اس میں نئے سرے سے کمرے کر کے پرانیے کا پروگرام طے ہوا تھا...

دو گھنٹے بعد وہ ہوٹل اس کے دو انگ انگ کمروں میں رہائش حاصل کر چکے تھے... اس رات انہوں نے آرام کا فیصلہ کیا... دوسرے دن صبح دو ناشتے کے لیے ہال میں چلے آئے... انہیں یہ دیدیو راجرت ہوئی کہ شاید وہی ہال میں موجود تھا اور اس کے پانچوں غنڈے بھی... یہ دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی... وہ ان سے کافی فاصلے پر بیٹھ گئے۔

"یہ لوگ پھر یہاں موجود ہیں... اس کا مطلب ہے، اس ہوٹل... ان کا خاص تعلق ہے... اور اس جرم کا بھی اس ہوٹل سے خاص تعلق ہے... سوال یہ ہے... وہ جرم کیا تھا... اور یہاں میری موجودگی میں سے یہ لوگ کیوں گھبرا رہے تھے... وہ شخص کون ہے... جس نے مجھے یہاں سے جانے پر مجبور کیا تھا... میرا خیال ہے... اب ہمیں براہ راست قدم اٹھانا پڑے گا..." انسپکٹر جشید دہلی آواز میں کہتے چلے گئے۔

"تم... براہ راست قدم... کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔
"میں دیکھتے جاؤ..."

یہ کہہ کر انسپکٹر جشید ایک جھکے سے اٹھ کھڑے ہوئے
"تم ہمیں پیچھے رہو... تھیل دیکھو، تھیل کی دھار دیکھو..."

"ہاں... لیکن... اہاجان... اس ہوٹل میں بہت تھیں۔"

انہوں نے غاروق کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی قہر خیز
 دے... اس کا رخ شدد اور اس کے پانچ ساتھیوں نے اس کے قہر
 اور ہوٹل کا ہر اس وقت بھی بھر ہوا تھا

پتول والا

☆☆☆☆☆

میں یہاں زیرِ مباحث ہوں؟ ان کے نزدیک کتنی کروہی کون آواز
 میں بولے۔

"یہ مطلب... شہر میں"

"میں سے کہا ہے... میں یہاں نہیں ہوں"

"ہاں میں چند... یہاں میں رہا ہوں... آپ نے اسے پتہ
 چاہیے... یہاں میرے چند... دوست... اسے اسے چاہیے۔"

"جو نمی وہ آئیں گے... میں انہی جاؤں گا۔"

"اس طرح آپ کو یہاں آکر... پتہ پتہ ہی نہیں... میں اور
 چند جاؤں گے۔"

"نہیں... مجھے یہیں بیٹھا چار ماہ ہے... دراصل میں آپ سے چند
 دنوں پہلے چاہتا تھا ہوں۔"

"کیا مطلب... آپ مجھ سے چند... نہیں چاہتا چاہتے ہیں...
 اس سے مجھے میں جا کی حیرت تھی۔
 "ہاں بالکل۔"

"آپ ہیں کون ہیں؟"

"میں عبداللہ ہوں۔"

"میں آپ کو نہیں جانتا... آپ مجھے کیسے جانتے ہیں۔"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں... میں یہاں بیٹھ رہا آپ سے چند باتیں

کروں گا۔"

"اچھی بات ہے... تشریف رکھیے۔" اس نے برا سادہ بتاتے

ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ساتھیوں کو کچھ اشارہ کیا... ان میں سے دو

اٹھ کھڑے ہوئے درمیان ایک نے ان کے پیلوں میں گولی نوک دا۔ چہرے رکھے

ہوئے کہا:

"مسز ایہ جو جی آپ کی پیلوں سے چہرہ رہی ہے... یہ بے تراز

پستول ہے... اگر میں نہ گروں تو آپ کی ہاش بیکس! میرے گھر سے۔"

"خیر... نہیں... وہ لڑ کر بولے۔"

"اب چپ چاپ صدر دروازے کی طرف چلو... میں داستانہ انداز

میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں... میری جیب میں موجود پستول سے میرے

میری نگلی موجود ہے... اور ناں تمہاری پیلوں سے چھوٹی ہے۔"

حرکت کی تو میں کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔"

"جی... جی اچھا... آپ مجھے کہاں سے جانا چاہتے ہیں... تمہارا تم

اتنا تو بتا دیں۔"

"باہر نکل کر بتاؤں گا... کیوں چیف۔" اس نے شادو کی طرف

دیکھا۔

"ہاں! ایسوں کا یہی علاج ہے۔" شادو نے سر ہلا دیا۔

وہ انہیں سے باہر کی طرف بڑھا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ دیا کہ وہ بال میں بیٹھے ہیں۔

وہ دونوں انہیں ہونٹ سے باہر لے آئے۔ اب ان کا رخ

ایک کار کی طرف تھا... نزدیک پہنچ کر وہ بولا جس نے ان کی پیلوں سے پستول

نگار کھاتھا:

"بیٹھو اندر... پچھلی سیٹ پر۔"

"چپ... پروگرام کیا ہے۔"

"تمہیں اپنے خاص ٹھکانے پر لے جائیں گے۔ وہاں تم سے

پوچھیں گے... تم کون ہو۔"

"یہ تو میں نہیں بتا دیتا ہوں۔"

"نہیں... یہاں نہیں۔ بے شک... چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئے... پستول والا ان کے ساتھ بیٹھ گیا... دوسرے

نے ڈرائیو تک سیٹ سنبھال لی... پھر کار چل پڑی... دس منٹ کے سفر کے بعد

کار جنگل میں داخل ہوئی اور پھر درختوں سے ڈھکی ایک عمارت کے دروازے

پر پہنچ کر رک گئی... عمارت کا دروازہ کھلے گا تھا اور بہت بڑا تھا... اگلے نے

کار سے اتر کر دروازے پر زور دار انداز میں تین بار دھک دی... اور آکر کار

میں بیٹھ گیا... ایک منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا... کار اندر داخل ہو گئی... کار

بند ہو کر چل رہی تھی... یہاں تک کہ ایک برآمدے میں آکر رک گئی۔

"اتر دیجئے... تمہاری امتحان گاہ آگئی... یہاں تم بتاؤ گے... تم

کون ہو۔" پستول والا بولا۔

"میں تو وہاں بھی بتانے کے لیے تیار تھا۔" وہ مسکرائے۔

”وہاں کیا خاک حرا آگیا... چلو اندر۔“

اب وہ انہیں ایک ہال نہ کرے میں لے آئے... اس کرے

میں عجیب و غریب آلات تھے۔

”اس کرے میں لوگ فر فریو لے گئے ہیں... پہلے تم سے نرمی سے

پوچھتا ہوں۔ تم کون ہو۔“

”میں وہ ہوں گا بے... جس کا نام تمہارے ہوش اڑا دے گا۔“

”کلب... کیا۔“ وہ بہت زور سے اچھا... آنکھوں میں خوف دوڑ

گیا... پھر اس نے خود سنبھال لیا... اور پشیمانی ہوئی آواز میں بولا

”تم کون ہو۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا ہتھول ان کے سینے پر

کی طرف تن گیا۔

”جانے دو... میرا نام نہ پوچھو... اپنا کام بتا دو۔“

”اپنا کام... کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تم یہاں اس قصبے میں کیا کر رہے ہو... تمہارا گرو

شاد یہاں کیوں موجود ہے... اس قصبے میں آخر الپکڑ جمشید کی موجودگی

تمہارے لیے خطرے کی گھنٹی کیوں ہے...“

”حق... تم... تم میرا نام کیسے جانتے ہو۔“

”حیرت ہے۔ تم اب تک نہیں سمجھ سکے... بھلا وہ کون ہو سکتا ہے جو

تمہیں اس سبک اپ میں بھی پہچانتا ہے۔“

”نہیں... نہیں... آپ... آپ الپکڑ جمشید ہیں۔“

”بہت دیر لگائی پہچانتے میں...“

گاہ کے ہاتھ سے ہتھول چھوٹ گیا... اس کے ساتھی کا رنگ

بھی اڑ گیا۔ انہوں نے ہتھول نہ دیا... رات کی طرف کرتے ہوئے بولے

”اب تم موت کے اہانتے پر آمکھڑے ہوئے ہو... صرف ایک

صورت ہے تمہارا سب بچے کی۔“

”اور... اور وہ کیا؟“

”خود آریہ بتاؤ۔ مجھے یہاں سے کیوں ہٹایا گیا تھا۔“

”یہ بات صرف شاد کو معلوم ہے...“

”اچھی بات ہے۔ شاد... دونوں بروک تم نے انہیں جمشید کو جان بول کر

لیا ہے... لہذا فوراً یہاں پہنچ جاؤ۔ اگر تم سے اس کے علاوہ کچھ کہنے کی کوشش

کی تو پھر تمہارا انجام برا ہو گا۔“

”وہ تو اب ویسے بھی ہو گا۔“ اس نے منہ بتایا۔

”یہ ضروری نہیں... تم سرکاری گواہ بن کر دوا دے سکتے ہو۔“

”اچھی بات ہے... میں فون کر دیتا ہوں... لیکن شاد کے یہاں

آنے پر اگر پانسہ اس کے حق میں پٹ گیا... تو پھر میں اس کا ساتھ دوں گا۔“

”تمہاری مرضی۔“ انہوں نے اندھے اندھے۔

اس نے موبائل پر شاد سے رابطہ لیا اور وی بیٹے دے دیے...

انہوں نے بتائے تھے... پھر وہ سری طرف کا جواب سن کر اس نے فون بند کر

دیا۔

”وہ آ رہا ہے...“

”ٹھیک ہے... تم... فون کے حق میں بہتر یہ ہے کہ خود لا بد محال...

اس طرح تم اس کے ساتھی بھی رو سکو گے... اگر پانسہ اس کے حق میں پٹ گیا تو

وہ تم پر شک نہیں کرے گا۔“

"ترکیب زبردست ہے۔" وہ خوش ہو گئے۔

وہاں ری موجود تھی... نبیوں نے ان دونوں کو مضبوطی سے

باندھ دیا:

"یہ تو آپ نے کچھ زیادہ ہی رسی کس دی۔" گاہک ہنسنے لگا۔

"اگر ڈھکی رسی باندھی جائے گی تو شادہ شک میں مبتلا ہو جائے گا۔"

بلڈ امبر کروہ:

دس منٹ بعد باہر گاڑی رکھنے کی آواز سنائی دی۔ پھر شادہ

اپنے باقی تین ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اسے اندر کوئی بھی نظر نہ آیا تو

خیران ہوا اور پلٹا آواز میں بولا:

"ہیلو گا بے... تم کہاں ہو، ہم آگئے ہیں... اوہ... تم شاید

اندرونی کمرے میں ہو... مگر کیوں..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار

ہو گئے... اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا اور وہ تیزی سے اندرونی دروازے کی

طرف بڑھا... ساتھ ہی اس نے اپنے تینوں ساتھیوں کو اشارہ کیا... انہوں نے

دائیں بائیں پوزیشن لے لی... صرف شادہ اس دروازے تک پہنچا... اور

بولا:

"گا بے... کیا تم اندر ہو۔"

اب بھی کوئی جواب نہ ملا... شادہ خوف کے عالم میں پیچھے ہٹنے

لگا... ایسے میں ایک قاتل ہوا... اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا... فوراً ہی

اس کے تینوں ساتھیوں نے سامنے کی طرف اندھا دھند فائر کیا... کئی گولیاں

اندرونی کمرے میں چلی گئیں... اب شادہ بھی پوزیشن لے چکا تھا...

"چیف... یہ ٹھیک ہے... ہمارے لیے چاہیے... فوراً طور پر باہر نکل کر پوزیشن لینی چاہیے...
"بااں اٹھیک ہے۔"

جو کئی ایسے نے باہر قدم رکھے... باہر سے بھی ان پر قاتلنگ
ہوئی... لیکن یہ ہونی نہ چاہیے... گویا انہیں یہ بتایا گیا کہ ان کا دشمن باہر بھی
موجود ہے... ایسے میں ایک آواز ابھری

"قریب پستول کر دو... ہاتھ بند کر لو... تم ہمارے شائے پر
ہو... بہت آسانی سے ہم ڈھیر کر سکتے ہیں"

شادہ کے ساتھیوں نے فوراً آواز کی سمت میں اندھا دھند
قاتلنگ کر دی... جواب میں ان پر بھی فائرنگ ہوئی... ساتھ ہی اس آواز نے
کہا:

"کوئی فائدہ نہیں... نقصان میں رہو گے... پستول گرا دو۔"

انہوں نے اب بھی پستول نہ گرائے... اور اپنی جگہ تبدیل
کرتے ہوئے قاتلنگ جاری رکھی... لیکن آخر کب تک... ان کی گولیاں ختم
ہو گئیں... اور جب وہ جواب میں قاتلنگ نہ کر سکے... تو ان پر چاروں طرف
سے گولیاں برسنے لگی... آواز ایک بار پھر ابھری

"ہم چاہیں تو تمہیں نکالتے دیکھتے ہیں... اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ
اب ہم تمہارے ایک ساتھی کے کان کی لوازہ ہے ہیں..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ایک ساتھی کے کان کی لوازہ
مچی... اس کے منہ سے دل دوز چیخ نکل گئی... ساتھ ہی آواز پھر آئی

"اب بھی وقت ہے... پستول گرا دو اور ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے

سامنے آ جاؤ۔۔۔

چند سیکنڈ بعد شادو اور اس کے تینوں ساتھی سامنے آ گئے۔۔۔ انہوں نے پستول گرا دیے۔۔۔ اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔۔۔
 ”یہ ہوئی ناپات۔“ چپکٹی ہوئی آواز سنائی دی۔

پھر سامنے سے اسپیکٹر جمشید اور باہر سے ان کے ساتھی اندر آ گئے۔ شادو اور اس کے تینوں ساتھیوں کو بھی ہاتھ لایا گیا۔

”ہاں مسٹر شادو۔۔۔ اب ہو جائیں دودو باتیں۔۔۔ یہ پکڑ کیا ہے، اس قصبے میں آخر ہو کیا رہا ہے۔۔۔ اور اگر میں یہاں آ گیا تھا تو مجھے فوراً یہاں سے لالنے کی منصوبہ بندی کیوں کی گئی۔۔۔“ اسپیکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

”تو آپ اسپیکٹر جمشید ہیں۔“ شادو مسکرایا۔

”ہاں اللہ کی مہربانی سے۔“

”جب پھر ایک بات جان لیں۔۔۔ آپ مجھ سے کبھی بھی یہ نہیں اگھوا سکیں گے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔۔۔ آپ کو قصبے سے باہر بھجوانے کی منصوبہ بندی کیوں کی گئی۔۔۔“

”اچھا! تم اچھے سخت ہو۔“

”سخت تو خیر میں ہوں۔۔۔ لیکن مجھ تک یہ اطلاعات آ چکی ہیں کہ آپ کو معطل کر دیا گیا ہے۔۔۔ لہذا آپ قانون کی تو کوئی مدد حاصل نہیں کر سکیں گے۔۔۔ بلکہ قانون تو الٹا آپ کو گرفتار کرے گا۔۔۔ کیونکہ آپ ایسا کس قانون کے تحت یہ سب کرتے پھر رہے ہیں۔“

”میں قانون کو جواب دے لوں گا۔۔۔ تم اپنی خیر مٹاؤ۔۔۔ یہ لو میں تمہارے کان کی بھی ایک لوازار ہا ہوں۔۔۔ اگر لو کو پہچانا چاہے ہو تو پھر اصل

بات بتا دو۔“

”یہ دھمکیاں کسی اور دیتا ہوں۔۔۔ یہ مست و بے رحمی ہیں تو جیسے ان الفاظ سے ساتھ ہی اس سے یہاں لو لڑا کی دوسری بیج پڑا

”جدی ہو۔۔۔ یا سب سے سو۔۔۔ ورنہ دوسری دوسری گئی۔“
 ”ایک ایک زیادتی کا۔۔۔ دینا ہو گا اسپیکٹر جمشید۔“ اس نے گہرے گھر سے لہجے میں کہا۔

”تم اپنی بات کرو۔“

”نہیں بتاؤں گا۔“

اس کے ساتھ ہی اس کے دوسرے کان کی دوسری آواز گئی۔
 ”ہاں! اب کیا کہتے ہو؟“

”تم ہمیں جان سے مار ڈالو اسپیکٹر بتائیں گے ہم پھر بھی نہیں۔۔۔ کیونکہ اگر ہم یہ بات بتا دیتے ہیں۔۔۔ تو ہم کسی کام کے نہیں رہ جاتے۔۔۔ اور ہم یہ کیا۔۔۔ باٹلی والا بھی کام سے جائے گا۔۔۔ جب کہ اس وقت پورے ملک میں باٹلی والا کی واہ واہ ہو رہی ہے۔۔۔ بہت جلد ہونے والے انتخابات میں اس کی پارٹی کی کامیابی سو فیصد یقینی ہے۔۔۔ لہذا وہ تو اس ملک کا سربراہ بننے والا ہے۔۔۔ مستقبل کا حکمران۔۔۔ پھر تم کہاں ہو گے۔۔۔ یہ سوچ لو۔۔۔ میرا مشورہ ہے۔۔۔ ہم لوگوں کو ہسپتال پہنچا کر خود کو قانون کے حوالے کر دو۔۔۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔۔۔ اس صورت میں شاید تم کچھ سزا کاٹ کر رہا ہو جاؤ گے۔۔۔ دوسری صورت میں تم نہیں کچھ گے اسپیکٹر۔۔۔ یہ بات لکھ لو۔۔۔ اور پھر۔۔۔“ وہ کہتے کہتے لڑ گیا۔“

"ہائی والا تو خود یہاں آنے والے ہیں... میں نے انہیں مارے حالات کی خبر دی تھی۔ وہ پوری پولیس فورس کے ساتھ کسی بھی لمحے یہاں آنے والے ہیں... ان کے پاس تمہاری فوری گرفتاری کے احکامات بھی ہوں گے... لہذا تم تو اپنی خیر سداؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی بہت سی گاڑیوں کی آوازیں اور ہارن سنائی دینے لگے۔ آوازیں ابھی دور کی تھیں... تاہم ان کو سنتے ہی شادو چپک کر بولا

"لو الپکڑ جمشید... وہ آگئے... اب تم گئے کام سے۔"

☆☆☆☆☆

نہیں جناب!

"اب... اب کیا ہو گا جمشید۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔
 "مارے گئے۔" پروفیسر داؤد نے گہر کر کہا۔
 "ارے باپ رے... بھاگ چلے تاہا جان۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بلکہ دم دبا کر بھاگئے۔" قاروق بول اٹھا۔
 "جدھر جدھر جس کے سینک سائیں... چلے جائیں۔" فرزانہ بولی۔
 "مجھے افسوس ہے... نہ تو ہمارے ام ہے اور نہ سینک... لہذا مجبوری ہے... ہم بھاگ نہیں سکتے... ویسے کیا آپ واقعی بھاگنا چاہتے ہیں... اگر ایسا ہے... تو ابھی پولیس بہت دور ہے... اور آپ کے لیے بھاگنے کے لیے کافی وقت ہے... لہذا آپ جا سکتے ہیں۔"
 "ارے ارے... جمشید... تم تو ہماری بات کو سمجھ گئے۔" خان رحمان گہرا گئے۔

"توبہ کریں جی۔" الپکڑ جمشید بولے۔
 "توبہ... توبہ۔" وہ لگے کانوں کو ہاتھ لگانے۔

”پتہ پتہ کرنے کے لیے...“ راقی حیران ہو کر رہی۔

"توبہ کرنے کا ہوں... آپ نے ہی تو کہا ہے... توبہ کریں

11

”دھت تیرے کی... اب شادو اور اس کے ساتھیوں کو خوش ہونے کا

ایسا موقع بھی نہ دیں۔"

”بات واقعی ٹھیک ہے... خیر... حرکت میں آ جاؤ۔“

”جی... کیا کہا... حرکت میں آ جاؤ... لیکن کون سی حرکت میں آ

٥٤ -

’اس حرکت میں... جس میں حرکت ہے۔‘ اسپیکر جھٹکے۔

”آپ آج زیادہ ہی خاق کے موڈ میں ہیں۔۔۔“

اور جب میں زیادہ مذاق کے موز میں ہوتا ہوں... اس وقت کوئی

خاص بات ضرور ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ خاص بات کیا ہے۔۔۔ مگر

...پہلے ان لوگوں کے منہ کسی کینزے سے بند کر دینے چاہئیں... ان لوگوں

کے آنے سے پہلے پہلے... اس لیے میں نے کیا تھا... حرکت میں آیا۔"

وہ حرکت میں آگئے۔ یہ جلد کی جلد کا لانا کہ وہ بند کر دے

گئے... تاکہ بول نہ سکیں... اور پھر انہوں نے فریست کی گاڑیوں کا شہرہ اف

نا... شوروں کا تو ہمارا درڑ کی آواز سے آواز لگے۔

”...کہا ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دل سے کسی اور کو برا بھلا کہے تو اس کا دل بڑھ جائے گا۔“

میں گرفتار ہو کر رہا ہے، ہمارے کون کھلا ہے۔

...میں نے اس کے لئے ایک اور چیز کی ضرورت محسوس کی تھی۔

ارت سے باہر آ جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ اور پاؤں اٹھائے ہوئے

وَأَوَّلُ مَا قَامَتْ بِهِ الْفِتْنَةُ فِي قَرْيَةِ قُورَيْشٍ

یہ دینی نے خوش ہو رہا۔

اب کی ہوگی۔

نوی ہوا... کہ مشورہ ہو

پہر حضرت جبرائیل علیہ السلام

مقام: کابل

... کہ یہ ایک نیا دور ہے...

پرس اور کھڑکی سے دیکھ کر وہ سوچا کہ کیا ہو گا؟

پہاں ۱۱

-2-)

م

1991

”پانچ منٹ کی

جائے۔“

شکریہ... ہمارے لیے مانجی منٹ کی سہولت

یہ کہہ کر اس کیلئے ہمیشہ شاد و محکم رہو۔

"تم نے سنا۔ جس کے لئے تم کام کر رہے ہو۔"

اوتے کوئی غرض نہیں۔

... اسے جو بل اچھا نام نکالتا ہے... یہاں اب تم کو

۱۰۰

”موقع تو میں خود کچھ لوں گا، محل تم دکھا دو یہاں۔“ فاروق نے اسے

مکھڑا۔

”ٹھیک ہے... اب تم سب کی زبانیں کاٹیں جائیں گی۔“ باغلی،

غزیا۔

”جب پھر باغلی والا صاحب... میری ایک درخواست ہے۔“

”پھر دے... میرا نام باغلی والا ہے۔“ وہ دھاڑا۔

”کم از کم اتنی زور سے نہ بولیں... ہم ذرا کمزور واقعہ ہوتے

ہیں۔“ انسپکٹر جمشید کانپ گئے۔ ساتھ میں لڑکھڑائے بھی اور پھر تو دو گریں

پڑے... سر کیا پڑے... گرنے کے ساتھ لڑھک بھی پڑے... اور اس طرح

وہ باغلی والا کے بالکل قریب پہنچ گئے... ان کا دایاں پاؤں اس کی ہڈی سے

چاٹ کر لیا... وہ دھڑام سے گرا، ادھر وہ گرا، ادھر انسپکٹر جمشید بھی کی تیزی سے

حرکت میں آگئے اور انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر مڑو دیا، ساتھ ہی دوسرا ہاتھ

گردن کے گرد کس دیا اور یہ ان کا مخصوص انداز تھا... اس طریقے سے وہ بڑے

بڑے طاقتور مجرم کو بائبل بے بس کر دیتے تھے... اس حد تک بے بس کہ وہ ذرا

بھی حرکت کرتا تو اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی تھی... اس حالت میں آتے

واے کی جان پر بین جاتی تھی۔ اور یہی اس وقت باغلی والا کے ساتھ ہوا۔ اس کی

جان پر بین گئی۔ دنیا گھومتی محسوس ہوئی... ادھر انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے

”خبردار! کوئی باغلی والا کو چھڑانے کی کوشش نہ کرے... کیونکہ

جوئی میرے جسم کو معمولی سی بھی حرکت ہوگی... باغلی والا کی گردن ٹوٹ جائے

گی... اگر میری بات پر یقین نہیں تو پھر اس سے پوچھ کر دیکھ لو۔“

”ہاں... ہاں... یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں... خبردار آگے نہ بڑھنا...“

باغلی والا نے بہت مشکل سے صبح سے آواز نکالی۔ ساتھ ہی اس نے یہ

”انسپکٹر جمشید... آپ مجھے چھوڑ دیں۔ میں ادھر رہتا ہوں...“

آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔ اور آپ ہی عمارت پر بھی جہاں

ہو جائیں گے۔“

”وہ تو میرے خلاف کارروائی ویسے بھی نہیں ہوگی... اور میں اپنی

ملازمت پر بھی جب چاہوں گا، یہاں ہو جائوں گا... بات تو تمہاری ہے... میں

تم سے بالکل کوئی دھڑ نہیں سنتا۔ جو عدالت فیصلہ کرے... اسی پر عمل ہو

گا۔“

”عدالت... فیصلہ... یہ مطلب... تم مجھ پر مقدمہ چلاؤ گے...“

گھاس کھا گئے ہو انسپکٹر... تمہاری سنے کا لون... ابھی مجھے چھوڑ کر دیکھو...“

میں یہاں کس کس کو نہیں بلا لیتا۔“

”اچھا... یہ بات ہے... خیر... میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ لیکن

اپنے اپنے آدمیوں سے ہو... ہتھیار بھینک دیں... ہاتھ اوپر اٹھا دیں...“

”ٹھیک ہے... ہتھیار گرا دو... اور ہاتھ اٹھا دو۔“

اس کے آدمیوں نے فوراً تعمیل کی... انسپکٹر جمشید کی ہدایت پر

خیر فورس نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ اب انسپکٹر جمشید نے باغلی والا کی تلاشی

لینے کا حکم دیا... اسی حالت میں اس کی تلاشی لی گئی... اس کے پستول اور

دوسری چیزوں پر قبضہ کر لیا گیا... تب کہیں جا کر انسپکٹر جمشید نے اسے چھوڑا۔

کچھ دیر تو وہ اپنے اعضا کو حرکت دیتا رہا... گردن کو مسکراتا رہا... پھر بولا

”مجھے موبائل دیں...“

”تم نمبر بتاؤ... میں خود ڈائل کر کے موبائل تمہارے مرنے کے قریب

کر دوں گا۔"

"اچھی بات ہے... یونہی سہی۔" یہ کہہ کر اس نے نمبر بتا دیے۔

"یہ نمبر کے نمبر ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وزیر اعلیٰ کے۔"

"میں وزیر اعلیٰ کے نمبر سے واقف ہوں... یہ نمبر ان کا نہیں

ہے۔" وہ مسکرائے۔

"یہ ان کے بڑے موبائل کا نمبر ہے۔"

"پہلے سے جو ان کے نمبر ہیں... آپ ان میں سے کسی نمبر پر

کیوں بات نہیں کر لیتے..."

"انہوں نے مجھے یہی نمبر دیا ہوا ہے۔"

"تب پھر میں خود کوئی نمبر ملا کر ان سے بات کرتا ہوں اور آپ کی

بات کر دیتا ہوں۔"

باقی والا کارنگ اڑ گیا... اس نے جھلا کر کہا

"نہیں... جو نمبر میں بتا رہا ہوں... اسی کو ڈائل کریں۔"

"آپ اس وقت حکم دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"

"بہت پیچھاؤ کے انسپکٹر جمشید۔" اس نے سرسراہٹ آواز میں کہا۔

"کوئی پرواہ نہیں... پیچھا لوں گا۔"

"اچھی بات ہے... میری بات آپ خود وزیر اعلیٰ سے کرائیں۔"

"ہاں ایہ ٹھیک رہے گا۔" انہوں نے کہا اور اپنے موبائل پر نمبر ملائے

گئے۔

"یہ... کیا کر رہے ہو جمشید... اسے وزیر اعلیٰ کی حمایت مل گئی تو ہم

ہمک ٹوٹیاں مارتے رہ جاتیں گے۔"

"پروفیسر صاحب! انسپکٹر جمشید۔" غیب سے اندر میں کہا۔

"ہاں! کو جمشید۔" پروفیسر دو گنگہ اگئے۔

"آپ بس تیل، پینس، تیل کی ادھار دیجیں۔"

"اچھا جمشید۔ تم کہتے ہو تو دیکھ میں ہے... لیکن یہاں

تیل... وہ کہتے کہتے رہ گئے۔"

انسپکٹر جمشید مسکرائے... انہوں نے وزیر اعلیٰ کے نمبر

ملائے... جلد ہی ان کی آواز سنائی دی...

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں سر۔"

"کیا مطلب...؟" پ کہاں ہیں... آپ کو تو معطل کیا جا چکا

ہے... لہذا آپ اپنے کام کے ساتھ ساتھ انسپکٹر لگائیں۔" وہ شدید غصے کی

حالت میں بولے۔

"اس وقت باغی واہ میرے قبضے میں ہے اور وہ آپ سے بات

کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا...؟" یہ میں کیا سن رہا ہوں... اور یہ آپ کس لہجے میں باغی

والا صاحب کے بارے میں بات کر رہے ہیں...

"آپ نے میری بات سنی۔" انسپکٹر جمشید سرد لہجے میں بولے۔

"آپ ہوش میں تو ہیں۔"

میں نے کہا ہے... باغی والا میرے قبضے میں ہے... اور وہ آپ سے

بات کرنا چاہتا ہے... آپ اس سے بات کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں... ورنہ

انکار کر دیں... باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

کریں تو کچھ تھوڑی سی فورس بھی بیٹھیں۔۔۔ کہیں اس کی ضرورت نہ پیش آجائے۔“

”آپ... آپ کیا کر رہے ہیں... آپ اپنے ملک کی فورس کے خلاف ہتھیار اٹھا نہیں گئے۔“
”وزیر اعلیٰ کر رہے۔“

”میں نے یہ نہیں کہا... ہو سکتا ہے... آپ کے باغی والا اب کر گزریں۔“

آپ کا دماغ چل گیا ہے... باغی والا ایک محب وطن شہری ہیں، ملک کے کامیاب ترین سیاست دان ہیں... اور آنے والے انتخابات میں ان کی حمایت ہماری اکثریت سے جیتے گی... لہذا یہ تو ملک کے وزیر اعظم بننے والے ہیں... آپ اپنے بارے میں سوچ لیں... آپ اس وقت کہاں ہوں گے۔“
”مجھے اس اسپیکر کی کا کوئی لالچ نہیں... یہ ملازمت میں تحفہ کے لیے نہیں کرتا۔۔۔“

”کیا!!! پہلی بار مارے حیرت وزیر اعلیٰ کے منہ سے نکلا۔

”ہاں جناب! یہ کام ہم لوگ اپنے قومی اور ملکی جذبے کے تحت کرتے ہیں، نہ کہ تحفہ کے لیے... اور میں جو یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہاں آ جائیں... اس کی بھی کوئی وجہ ہے... اگر نہیں آئیں گے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا... ہم اپنا کام تو پھر بھی کر گزریں گے۔“

”اچھی بات ہے... میں آ رہا ہوں... اس بار ان کی آواز میں پہلے والی سختی نہیں تھی۔“

”شکریہ۔“

”آپ سے تو بعد میں ہی باتیں ہوں گی... مہری ان سے بات کر انہیں۔“

انہوں نے موبائل اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے چوٹے ہی کہا

”کامرانی صاحب آپ فوراً یہاں آ جائیں... ورنہ یہ اسپیکر ہمیں جان سے مار دے گا۔۔۔“

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے کہا۔

”ہم اس وقت شہر پار میں ہیں۔۔۔“

اس نے پھر وزیر اعلیٰ کی بات سنی اور بولا۔

”آپ شہر پار میں شمالی سڑک پر آ جائیں... سولہویں کلومیٹر پر ایک پتل سڑک بائیں ہاتھ مڑتی ہے... بس اس سڑک پر آ جائیں گے تو درختوں کے ایک بہت بڑے جھنڈ کے درمیان ایک عمارت ہے۔ میں وہیں ملوں گا اور یہ لوگ بھی۔“ وہ وزیر اعلیٰ کی بات سننے لگا پھر بولا۔

”آپ ان سے بات کر لیں... اگر آپ ہم سب کو اپنے وزیر اعلیٰ ہاؤس میں بلا کر بات کرنا پسند کرتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

جواب سن کر اس نے موبائل پھر اسپیکر جھید کودے دیا... انہوں نے سنا، وزیر اعلیٰ کہہ رہے تھے:

”آپ سب لوگ یہیں میرے پاس آ جائیں۔“

”نہیں جناب۔“ اسپیکر جھید بولے۔

”کیا نہیں جناب۔“ وزیر اعلیٰ پھر تہہ لہجے میں بولے۔

”ہم وہاں نہیں آ سکتے... یہ معاملہ یہیں حل ہو رہا ہے... بلکہ آپ پسند

جشید نے انہیں چکڑیا ہے۔ ہند آپ فوراً یہاں آجائیں۔ لہند میں دارالحکومت سے یہاں چلنا... لیکن اسپیکر جشید نے مجھے بھی ہسپتال کی زد پر لے لیا... آپ ان سے پوچھیں... آخر ہمارا کیا جرم ہے۔" ہانگی والا یہاں تک کہ کر خاموش ہو گیا...

"ہاں اسپیکر جشید! اب آپ کہیں کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں نے ابھی... یعنی شاد سے اور اس کے ساتھیوں کو ہوٹل الماس میں دیکھا تو بہت حیران ہوا... کیونکہ یہ پرانے جرائم پیشہ لوگ ہیں... میں ان سے بات کرنے کے لیے ان کی میز پر چل گیا تو ان کے دو ساتھی ہسپتال کے زور پر مجھے یہاں لے آئے... پھر شاد بھی یہاں آ گیا اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے میرے باقی ساتھی بھی یہیں آ گئے..."

"اب ہانگی والا اور ساتھی آپ خود بتائیں... آپ لوگ مجھے یہاں کیوں لائے تھے... یہ آپ لوگوں کا لھکانا ہے... نہ کہ میرا... کیا آپ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ یہ آپ لھکانا ہے۔"

"نہیں! یہ ہمارا لھکانا نہیں ہے۔" شاد بولا۔

"گو یا یہ میرا لھکانا ہے۔"

"بالکل۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اور آپ آج سے پہلے یہاں نہیں آئے۔"

"بالکل نہیں۔"

"بہت خوب! آپ نے سنا سر... ان کا کہنا ہے کہ یہ لھکانا ان کا نہیں... میرا ہے... اس صورت میں یہاں ان کی انگلیوں کے نشانات نہیں ہونے چاہئیں اور بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہونی چاہیے... جس سے یہ بات ثابت

اب انہوں نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے... انہیں تھوڑی سی صورت حال بتا کر وہاں آنے کی دعوت دی... یہ بھی بتایا کہ وزیر اعلیٰ بھی آرہے ہیں... وہ بہت حیران ہوئے اور آخر انہوں نے کہا

"میں روانہ ہو رہا ہوں۔"

ڈھاکا گئے بعد وزیر اعلیٰ اور آئی جی صاحب وہاں پہنچ گئے... ان کے ساتھ اپنی اپنی فورس بھی تھی۔ پہلے تو انہوں نے آتے ہی فورس کو حکم دیا کہ اس عمارت کے گرد گھیر اڑال دیں... جب وہ یہ کام کر چکے... تب وزیر اعلیٰ اور آئی جی صاحب عمارت میں داخل ہوئے... اندر کا منظر دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے... شاد اور اس کے ساتھی وہاں بندھے پڑے تھے، جب کہ ہانگی والا ایک کرسی پر بیٹھا تھا... اس کے سامنے دوسری کرسی پر اسپیکر جشید بیٹھے تھے... ان کے ہاتھ میں ایک خوفناک ہسپتال تھا... اس کی نال کا رخ ہانگی والا کے سینے کی طرف تھا... باقی لوگ بھی کرسیوں پر بیٹھے تھے...

"یہ... یہ سب کیا ہے۔"

"آپ دونوں حضرات بھی بیٹھ جائیں... پھر میں اپنی بات شروع

کرتا ہوں۔"

"نہیں... پہلے ہم ہانگی والا صاحب کی بات سنیں گے۔"

"آپ کی مرضی۔"

وہ ہانگی والا کی طرف مڑے...

"ہاں اٹھائیں... یہ کیا معاملہ ہے۔"

"شاد اور اس کے ساتھی یہاں میرے لیے آئے ہوئے تھے... آپ جانتے ہیں۔ یہ میرے خاص ملازم ہیں... ان کا فون مجھے ملا... کہ اسپیکر

ہو کہ یہ جگہ ان لوگوں کی نہیں... مہری ہے... کیا خیال ہے... یہی بات ہے
تا۔

یہاں تک کہ کروہ خاموش ہو گئے... اور ان سب کے رنگ از
گئے۔

جال

☆☆☆☆☆

”آپ دیکھ رہے ہیں کامرانی صاحب اور شیخ صاحب... ان کے
جنگ مہری بات سن کر کس طرح اڑ گئے ہیں... اگر یہ ان کا ٹھکانا نہیں تو یہ میرا
ٹھکانا ہے تو یہاں ان کی اگلیوں کے نشانات کا کیا کام... اب یہ فیصلہ کرنا خود
آپ کا کام ہے... میں بس اتنا کروں گا کہ اگر یہ انکار کریں گے تو اگلیوں کے
نشانات دکھا دوں گا... بلکہ اور بھی بہت کچھ دکھا دوں گا۔“ انہوں نے جلدی
جلدی کہا۔

”بات معقول ہے... کیوں سر۔“ آئی جی صاحب نے موافقے کو
مانگتے ہوئے وزیر اعلیٰ کے منہ سے کہلانے کی کوشش کی۔
”ہاں... آ۔“ ان کے منہ سے مشکل سے نکلا۔

”پہلے ان سے پوچھ لیتے ہیں... ہاں... کیا کہتے ہیں، آپ
لوگ۔“

”ہمارے اس ٹھکانے سے کوئی تعلق نہیں...“ شادو بڑا سامنے بنا کر
کہا۔

”خوب! سر... اب آپ اپنے محلے کو ہدایات دیں... یہ میرے

ساتھ محکم پھر کراٹھلیوں کے نشانات اٹھائیں۔“
 ”یہ نشانات تو اسی وقت کے ہیں... آخر ہم یہاں کافی دیر سے آئے ہوئے ہیں۔“

”جونہی تم لوگ یہاں آئے... میں نے تم لوگوں پر قابو پا لیا تھا... یہاں باقاعدہ قاتلنگ ہوئی تھی... ان حالات میں اس ٹھکانے پر جو برتن موجود ہیں۔ ان پر تم لوگوں کی اٹھلیوں کے نشانات کیسے ہو سکتے ہیں... اور اگر تم کہو... نہیں جناب... ہو سکتے ہیں... تب میں کہوں گا کہ جناب! جن برتنوں پر تم لوگوں کی اٹھلیوں کے نشانات ہیں... وہ آج کے استعمال کردہ نہیں ہیں۔ کئی دن پہلے ان میں کھایا پیایا گیا تھا... کیونکہ پیندوں میں پچی ہوئی چیزیں سڑ چکی ہیں یا خشک ہو چکی ہیں... ان برتنوں پر آپ لوگوں کی اٹھلیوں کے نشانات کا کیا کام اور اگر یہ ٹھکانا ہمارا ہے تو پھر ہماری اٹھلیوں کے نشانات ہونے چاہئیں... اس صورت میں آپ کو کیا فکر ہے... سراسر میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید نے پھر آئی جی صاحب کی طرف دیکھا۔

”بالکل ٹھیک... ان دلائل کا انکار کون کر سکتا ہے... یہ تو دو اور دو چار والی بات ہے۔“ آئی جی فوراً بولے۔

”آپ بھی رائے ظاہر فرمائیے۔“

”میں سمجھ نہیں سکا... یہ سب چکر کیا ہے... میرا خیال ہے... آپ نے میرے... میرا مطلب ہے... باٹلی والا، شادو اور اس کے ساتھیوں کے خلاف کوئی سازش کی ہے۔“

”مطلب یہ بھی پھر بتادیں کہ کیا سازش کی ہے میں نے ان کے خلاف اور کیوں کی ہے۔“ انہوں نے طرہ انداز میں کہا۔

وزیر اعلیٰ نے پریشان ہو کر باٹلی والا کی طرف دیکھا اور بولے:
 ”آپ اس سلسلے میں کچھ کہنا پسند کریں گے۔“

”جی ہاں ضرور... آپ کا خیال بالکل درست ہے... یہ ہم لوگوں کے خلاف کوئی سازش ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ٹھکانا میرا ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔
 ”ہاں بالکل... آپ ہمیں یہاں گھیر گھاڑ کر لائے تھے... پھر ہمیں بے ہوش کیا اور ہماری اٹھلیوں کے نشانات یہاں کی چیزوں پر لے لیے... تاکہ ہمیں پھنسا دیں۔“

”لیکن مقصد کیا ہے میرا اس سارے کام سے... سوال تو یہ ہے۔“
 ”مقصد میں بتا دیتا ہوں...“ اب باٹلی والا بولا۔
 ”ضرور... کیوں نہیں۔“ وزیر اعلیٰ نے فوراً کہا۔

”سینے... یہ آپ کی مخالف سیاسی جماعت کے آدمی ہیں... اس طرح آپ کا سارا سیاسی کردار ختم کر دینا چاہتے ہیں۔“
 ”بہت خوب! آپ نے سنا شیخ صاحب... میاں باٹلی والا کی باتوں میں کس قدر وزن ہے۔“

”جی ہاں! اب انہوں نے واقعی مضبوط بات کی ہے۔“ آئی جی بولے۔

”تب پھر... اب انسپکٹر جمشید کیا کہتے ہیں۔“
 ”میری موجودگی... تھوڑی دیر کے لیے ایک دن پہلے یہاں ثابت کی جاسکتی ہے اور یا پھر آج ثابت کی جاسکتی ہے... جب کہ یہاں کے ہوٹل الماس کے رجسٹر اس بات کی گواہی دیں گے یہ لوگ... یعنی شادو اور اس کے

مئے... شیخ صاحب... انپکڑ جشید کو ہمیشہ کے لیے فارغ کر دیں... ان کی وجہ سے ملک میں ہمیشہ الجھن پیش آتی رہتی ہے۔"

"یہ تو خیر نہیں کہا جاسکتا سر... انپکڑ جشید اور ان کے ساتھیوں کی خدمات سے اس ملک کے سرکاری ریکارڈ بھرے پڑے ہیں سر۔"

"اچھا اچھا... ہوگا... یہ سب ماضی کی باتیں ہیں... اور ہمیں غرض ہے، حال سے... آپ حال کی بات کریں... اس وقت ان کا کیا کردار ہے... یہ جو اتنا لبا چڑا چکر انہوں نے چلایا ہے... ثابت کیا ہوا... کچھ بھی نہیں... ڈھاک کے وہی تین پات۔"

"میرا خیال ہے سر۔" انپکڑ جشید بول اٹھے۔

"اب پھر ان کا خیال سنئے... نہ جانے اب یہ کون سی کوڑی لائے ہیں... ہاں جناب... فرمائیے... اپنا خیال۔"

"چھ منٹ مجھے بھی دیے جائیں۔"

"چھ منٹ... کس سلسلے میں دیے جائیں آپ کو چھ منٹ بھلا؟"

"ایک چھوٹی سی کوشش ہم بھی کر لیں ذرا... یعنی تلاشی لینے کی۔"

"آدھ گھنٹے تک ان سب لوگوں نے بھرپور انداز میں تلاشی لی اور یہ کچھ حاصل نہ کر سکے... آپ چھ منٹ میں کیا کریں گے۔"

"لیکن جناب! اس میں خرچ بھی کیا ہے۔" وہ بولے۔

"نہیں نہیں... اب بس بہت ہو چکی... ہمارے پاس وقت نہیں..."

"آپ شاید اس لیے مجھے وقت نہیں دے رہے کہ کہیں میں ان کے خلاف کچھ ثابت نہ کر دوں۔"

"اوہو... اچھا! یہ بات ہے... خیر... آپ کو پانچ منٹ دیے

جاتے ہیں۔"

"بلاوجہ وقت ضائع ہوگا سر۔" باغلی والا نے منہ بتایا۔

"چلیے کوئی بات نہیں... پانچ منٹ اور سہی۔" وزیر اعلیٰ بولے۔

"نہیں سر... اب کوئی گنجائش نہیں... ہم ان کے ملازم نہیں ہیں۔"

باغلی والا نے جھلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے... نہیں دیے جاتے پانچ منٹ..."

"نہیں جناب... اب یہ نہیں ہوگا... آپ پانچ منٹ دے چکے ہیں۔" انپکڑ جشید تیز لہجے میں بولے۔

"تو کیا ہوا... میں واپس لے رہا ہوں۔"

"تب پھر سن لیں... اس عمارت میں خوفناک حد تک تحریب کاری کا سامان موجود ہے... پورے ملک میں جگہ جگہ ہولناک جہازیں چھائی جاسکتی ہے اس سامان سے۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے... انپکڑ جشید کی نظریں صرف باغلی والا کی طرف تھیں۔ انہوں نے اس کے چہرے کا رنگ اڑتا دیکھا... ساتھ ہی وہ چیخا۔

"یہ جھوٹ ہے..."

"اور تحریب کاری کا یہ سارا سامان باغلی والا کو انٹارجہ کے اسلحہ دہروں نے دیا ہے۔"

"نیکو اس... فضول۔" وہ دہاڑا۔

"اور یہ قصبہ شمالی مغربی سرحد کے بالکل ساتھ لگتا ہے... سرحد میں کوئی ایسی جگہ بتائی گئی ہے... جہاں سے اسلحہ اور مواد اس طرف لایا گیا ہے

... ہو سکتا ہے... ایسا کسی سرگ کے ذریعے کیا گیا ہو، یہاں سرحد پر اس جگہ ملک دشمن لوگوں کو ڈیڑھ ٹیاں سوہنی گئی ہوں... تب تو اسلحہ اور زیادہ آسانی سے ادھر آ سکتا ہے۔"

"لگتا ہے، انسپکٹر جمشید... آپ جاگتے ہیں خواب دیکھنے کے عادی ہیں۔"

"مجھے ایک گم نام فون موصول ہوا تھا... مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ میں کم از کم اس ماہ کی میں تاریخ کے چند گھنٹے یہاں ضرور گزار لوں... لیکن دارالحکومت میں حالات فوری طور پر ایسے بنا دیے گئے کہ مجھے واپس جانا پڑا... لیکن اس وقت میں نے گم نام فون کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی... بعد میں جب فور کیا تو میں پھر یہاں آنے پر مجبور ہو گیا... اور شادے اور اس کے ساتھیوں کو یہاں دیکھ کر تو گویا میرے کان کڑے ہو گئے... پھر یہ خود ہی مجھے یہاں لے آئے... یہاں کا جائزہ لینے پر میں نے محسوس کیا کہ عمارت پر اسرار ہے... یہاں ضرور کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے... قصبہ سرحدی ہے... لہذا گم نام فون بلا وجہ نہیں تھا... سرحد پر کوئی محبت وطن بھی موجود ہے یا اتفاق سے کسی نے کچھ دیکھ لیا... اور اس نے مجھے فون کر دیا... ان تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں... اس عمارت میں تحریب کاری کا اتنا سامان موجود ہے کہ وزیر اعلیٰ صاحب بھی دھک سے رہ جائیں گے۔"

"نہیں نہیں... باغی والا ایسے آدمی نہیں ہیں... یہ تو بہت شریف سیاست دان ہیں۔"

"شریف سیاست دانوں کو ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی..."

"لیکن یہ صرف آپ کا خیال ہے۔"

"اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں... آپ مجھے پانچ منٹ کی جو مہلت

دے چکے ہیں... وہ واپس نہ لیں..."

"سوری! انہیں مہلت نہیں دی جا سکتی۔" وزیر اعلیٰ کی بجائے باغی والا بول اٹھا۔

"لیکن کیوں؟" آئی جی صاحب کے لہجے میں تیزی آگئی۔

"کیا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"پانچ منٹ آخر کیوں نہیں دیے جاسکتے... آپ کو زیادہ جلدی ہے تو آپ جاسکتے ہیں... ہم تو انسپکٹر جمشید کو یہ موقع دیں گے۔"

"آپ نے سنا کامرانی صاحب۔" باغی والا نے آنکھیں نکالیں۔

"میرا خیال ہے شیخ صاحب... اس کی ضرورت نہیں... یہ صرف انسپکٹر جمشید کا خیال ہے۔"

"جی نہیں... اس کی ضرورت ہے... تلاشی لی جائے گی... آئی جی والے۔"

"آپ... آپ یہ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔" وزیر اعلیٰ فرمائے۔

"ہاں! سر... مجبوری ہے... اب بات ایسے موڑ پر آگئی ہے کہ یہاں کی تلاشی انسپکٹر جمشید کی مرضی کے مطابق ہوگی۔"

"اچھی بات ہے... انسپکٹر جمشید... آپ کو پانچ منٹ دیے جاتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" باغی والا اچھل کر کھڑا ہو گیا...

ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا... اس نے پستول کی ڈال یک دم وزیر اعلیٰ کی کن پٹی پر رکھ دی:

"سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دیں... ورنہ وزیر اعلیٰ تو مجھے کام سے۔"

انہوں نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیے... اس وقت انسپکٹر جمشید

کے چہرے پر ایک بہت بھلی مسکراہٹ تیر گئی... اس مسکراہٹ کو صرف ان کے ساتھی دیکھ سکے۔

”یہ... یہ کیا کر رہے ہیں باٹلی والا...“ وزیر اعلیٰ سکتے کی حالت میں تھے۔

”آپ بھی ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔“

”ت... تو انپکڑ جمید کا خیال درست ہے... اس عمارت میں ملک میں توڑ پھوڑ چانے کا سامان موجود ہے۔“

”سامان نہیں... بہ۔ بڑا ذخیرہ... اتنا بڑا ذخیرہ کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے... بس یوں سمجھ لیں... پورے ملک میں دھماکے کیے جاسکتے ہیں۔“

”نہیں... باٹلی والا... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... آخر کیوں آپ ایسا کریں گے... آپ تو بہت کامیاب سیاست دان ہیں... آپ کی کامیابی کے امکانات تو یوں بھی روشن ہیں... پھر بھلا آپ ایسے جھکنڈے کیوں اختیار کرنے لگے... نہیں نہیں... شاید ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں... میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔“

”بات دراصل یہ ہے سر... یہ شخص اسلئے کی بین الاقوامی تجارت کی مافیا کا ایجنٹ ہے... اب اگر یہ برسرِ اقتدار آ جاتا ہے... ملک کا وزیر اعظم بن جاتا ہے... تو گویا پورا ملک جنگ پسندوں کی جمہولی میں جا گرے گا... تو اصل پلاننگ یہ تھی... اور میں نے اتنا موقع باٹلی والا کو اس لیے دیا کہ یہ خود کھل کر آپ کے سامنے آ جائیں... کسی ثبوت کی ضرورت نہ رہے... ورنہ اس نے چارے کا پتول میں کب کا خالی کر کے واپس اس کی جیب میں رکھ چکا ہوں...“

”کیا... ارے واہ۔“ وزیر اعلیٰ اچھل پڑے۔

”غلط... جھوٹ۔“ باٹلی والا غرایا اور اس نے ٹریگر دبا دیا... پھر دہاتیاں چلا گیا... لیکن پستول سے کوئی گولی نہ چلی... ساتھ ہی آئی جی صاحب کے ہاتھوں نے اسے جکڑ لیا۔

”آف مالک!... یہ... یہ سب کیا ہے... انپکڑ جمید... میں آپ کو کیا کچھ کہتا رہا... اور باٹلی والا کیا ہے... کیا کرنا چاہتا تھا... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا... ویسے کیا آپ دھماکا ذخیرہ مواد کا ذخیرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔“

”نہیں سر... ابھی تک میں نے سارا کام اندازے کی بنیاد پر کیا ہے... لیکن اگر میرے اندازے غلط ہوتے تو باٹلی والا کیوں گھبراتا، یہ تو فوراً کہتا... لے لیں تلاشی... اب آئیے... میں آپ کو اس عمارت کے نیچے تہ خانے دکھاتا ہوں... ان تہ خانوں میں آپ وہ کچھ دیکھیں گے کہ خدا کی پناہ!“

اور پھر انپکڑ جمید کے تمام اندازے سو فیصد درست ثابت ہو گئے۔ وہ سب خوف زدہ آنکھوں سے اس ذخیرے کو دیکھ رہے تھے... یوں لگتا تھا جیسے اب کبھی ان کی آنکھوں سے خوف دور نہیں ہو سکے گا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

اٹلانٹس
پبلکیشنز

